سورۃ یٰسٓ کی تفسیر

کتاب وسنت اور جدید تحقیقات کی روشنی میں

ڈاکٹر گوہر مشتاق

سورہ یٰسٓ کی تفسیر

کتاب وسنت اور جدید تحقیقات کی روشنی میں

ڈاکٹر گوہر مشتاق (امریکہ)

مکتبہ خواتین میگزین

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور فون 042-35435667

جملہ حقوق محفوظ ہیں!

نام کتاب	:	سورۃ یٰسین کی تفسیر: کتاب وسنت اور جدید تحقیقات کی روشنی میں
مصنف	:	ڈاکٹر گوہر مشتاق
ناشر	:	عباس اختر اعوان مکتبہ خواتین میگزین منصورہ۔ملتان روڈ، لاہور
اشاعت دوم	:	جولائی 2013 ء
مطبع	:	رانا پرنٹرز، لاہور
قیمت	:	70 روپے

ملنے کے پتے:

- ......ادارہ معارف اسلامی منصورہ ملتان روڈ لاہور۔5432419
- ......ادارہ مطبوعات طلبہ 1اے ذیلدار پارک، اچھرہ لاہور۔7553991
- ......دی بک ڈسٹری بیوٹرز، کراچی، 021-2787137
- ......مسٹر بکس، سپر مارکیٹ، اسلام آباد فون 051-2278843,2278845
- ......اسلامی کتاب گھر، خیابان سرسید، راولپنڈی 051-4830451
- ......ملک اولڈ بک ڈپو، کمیٹی چوک راولپنڈی
- ......احمد بک کارپوریشن، کمیٹی چوک راولپنڈی
- ......مکتبہ تبلیغ اسلام، الاکرام بلڈنگ راولپنڈی 5962137
- ......النور اسلامک بکس۔سنگاپور پلازہ۔صدر۔راولپنڈی 5794605
- ......ادارہ تطہیر افکار، جی ٹی روڈ، پشاور۔091-262407
- ......ادارہ پاسبان خبر مرکز۔1سرور روڈ، نزد سٹیٹ بینک بلڈنگ ملتان

ایک مرتبہ ایک شخص نے امام احمد بن حنبلؒ کو ایک نظم سنائی جسے سُن کر امام احمد اتنا روئے کہ اُن کے شاگردوں کو خوف لاحق ہوا کہ امام احمد کہیں رقت کی وجہ سے فوت نہ ہو جائیں۔ اُس نظم کے دو اشعار درج ذیل ہیں:

سَأُسْأَلُ مَا الَّذِیْ قَدَّمْتُ فِیْ دُنْیَایَ یُنْجِیْنِیْ
فَکَیْفَ اِجَابَتِیْ مِنْ بَعْدُ مَا فَرَّطْتُ فِیْ دِیْنِیْ

''(روزِحشر) مجھ سے سوال ہوگا کہ دنیا کی زندگی میں مَیں نے قیامت کے روز اپنی نجات کے لیے کیا اعمال کئے ؟
آج جبکہ میں اپنے مذہب سے بے پراہ ہوں تو (قیامت کے روز) میں کیا جواب دونگا ؟''

وَیَا وَیْحِیْ اَلَمْ اَسْمَعْ کَلَامَ اللّٰہِ یَدْعُوْنِیْ
اَلَمْ اَسْمَعْ لِمَا قَدْ جَاءَ فِیْ قَافٍ وَ یٰسٓ

''ہائے مجھ پر افسوس! کیا مَیں نے اللہ کا کلام نہیں سنا تھا جو مجھے اپنی طرف دعوت دے رہا تھا۔
کیا میں نے وہ سب کچھ نہیں سنا تھا جو **سورہ قاف** اور **سورہ یٰسٓ** میں بیان ہوا ہے؟''

(مناقب امام احمد بن حنبلؒ، عبدالرحمٰن ابن جوزی، صفحہ 205)

فہرست

☆ ...... تعارفِ مصنف 6

☆ ...... سورۃ یٰسٓ کا تعارف 8

☆ ...... سورۃ یٰسٓ کی فضیلت میں احادیث 9

☆ ...... علمائے کرام کی نظر میں سورۃ یٰسٓ کی فضیلت 11

☆ ...... مرنے والے کے سامنے سورۃ یٰسٓ پڑھنے کی مصلحت 14

☆ ...... **سورۃ یٰسٓ کا ترجمہ اور تفسیر** 19

☆ ...... شہید الدّعوۃ حبیب النجار کا قصہ 35

☆ ...... کائنات میں ہر چیز کا جوڑا (pair) ہونے کا قانون 44

☆ ...... زمین کی نباتات اور زمین کی گردش میں موجود گہرا تعلق 47

☆ ...... چاند کی حرکت اور منازل 49

☆ ...... کائنات میں ایک زبردست حسابی نظام 50

☆ ...... ہوائی حادثوں کے واقعات میں پوشیدہ سبق 53

☆ ...... غریبوں کا خون چُوسنے والا سودی نظام 60

☆ ...... قیامت کے روز انسان کے خلاف پانچ قسم کی گواہیاں 78

☆ ...... سورہ یٰسٓ کا شہیدُ الدّعوۃ اور اللہ کے ہاں شہداء کا مرتبہ 89

☆...... انسان کے اندر ہمیشہ کی زندگی کی خواہش 97

☆...... اللہ کے ہاں شُہداء کے خصوصی اعزازات اور انعامات 99

☆...... شہداء کو اللہ تعالیٰ خود چُنتا ہے 99

☆...... جس پر اللہ کی رحمت کی انتہاء ہو اُسے شہادت ملتی ہے 102

☆...... شہداء کو مرتے وقت کوئی تکلیف نہیں ہوتی 105

☆...... شہداء کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی 108

☆...... شہداء کے ذکر کو اللہ تعالیٰ بلند کر دیتا ہے 112

☆...... صحابہ کرامؓ میں ''شَہِیدُ الدَّعوۃ'' حبیب النجار جیسی مثالیں 115

اداروں، مساجد اور اسلامی سینٹروں میں اسلام اور سائنس کے موضوعات پر لیکچرز اور جمعے کے خطبات دیتے رہتے ہیں۔ انگلش اور اردو زبان میں بہت سی اسلامی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اُن کی انگریزی کتابوں کی تفصیلات انٹرنیٹ سے حاصل کی جاسکتی ہوں۔ ڈاکٹر گوہر کی اردو کی کتابوں کی لسٹ درج ذیل ہے:

1......ایک آنکھ والا دجال

2......موسیقی، اسلام اور جدید سائنس کی روشنی میں

3......انسانی دل اور قبولِ اسلام۔ ایک مذہبی اور سائنسی تجزیہ

4......معرکۂ روح وبدن

5......پردہ: عقلمند خواتین کا انتخاب

6......دجالی دور اور مسلم نوجوان

7......داڑھی کی اہمیت قرآن وسنت اور جدید سائنس کی روشنی میں

8......ویلنٹائن ڈے۔ بُت پرست رومیوں کا تہوار

9......سورۃ الواقعہ کی سائنٹفک تفسیر

10......سورۃ یٰسٓ کی تفسیر: کتاب وسنت اور جدید تحقیقات کی روشنی میں

11...... تزکیۂ نفس، اسلام اور جدید علم نفسیات کی روشنی میں

12 ...... روزے کے روحانی اور طبی فوائد۔ قرآن حدیث اور میڈیکل سائنس کی روشنی میں

13 ...... ایک آنکھ والے میڈیا کا معاشرتی زہر

14 ...... اللہ کی مدد کیوں نہیں آرہی؟

15 ...... مسلم نوجوانوں کو درپیش سب سے بڑا مسئلہ

16 ...... عرشِ الٰہی سے لٹکتی قندیلوں میں، سبز پرندوں کے دلوں میں

سورۃ یٰسٓ کا تعارف

قرآن کی سورۃ یٰسٓ کو ہماری سوسائٹی میں بہت اہم حیثیت حاصل ہے۔کئی لوگ اُس کی روزانہ تلاوت کرتے ہیں۔اس وجہ سے کئی مسلمان مردوں اورعورتوں کو یہ سورت زبانی یاد ہوجاتی ہے۔چونکہ ہمارے معاشرے میں عربی زبان بولی اور سمجھی نہیں جاتی 'اس لیے اس بات کی ضرورت ہروقت رہتی ہے کہ لوگ اِس سورت کو سمجھ کر پڑھیں تاکہ انھیں پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ اِس سورت میں اُن سے کیا فرمارہا ہے۔ پھر اِس سورۃ کی اہمیت کے پیشِ نظر اِس میں موجود آیات کی تفسیر سمجھنا بھی ضروری ہے تاکہ پتہ چلے کہ اِس سورت کا بنیادی پیغام (Main Message) کیا ہے۔

سورۃ یٰسٓ مکی سورہ ہے یعنی یہ حضور ﷺ کے مکہ کے دور میں نازل ہوئی۔اس سورت کے مرکزی موضوع تین ہیں۔توحید، رسالت اور آخرت۔اِس میں ان تینوں موضوعات پر نہایت مضبوط دلائل پیش کیے گئے ہیں۔پھر مزید گہرے غوروفکر کرنے کے لیے علمِ حیاتیات (Biology)، فزکس (Physics) اور علم الافلاک (Astronomy) سے متعلق حقائق بیان کیے گئے ہیں جو صرف آج کی سائنسی ترقی سے انسانیت کو سمجھ آرہے ہیں کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ قرآن میں ایسی آیات ہیں کہ جنھیں وقت گزرنے کے ساتھ (جب علم مزید ترقی کرے گا) ہی سمجھا جاسکتا ہے۔

اِس سورت میں رسالتِ محمدی ﷺ کے استدلال میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ تبلیغِ اسلام کا جو کام کررہے ہیں، محض بے غرضانہ طور پر کررہے ہیں۔سورت میں دعوتِ دین کا کام کرنے والوں سے متعلق ایک معیار (Gold Standard) بنادیا گیا ہے کہ انبیاء کرام

اور داعی حضرات اپنی تبلیغ اور دعوۃ کے کام پر کچھ اُجرت طلب نہیں کرتے۔

آخرت کے استدلال میں قیامت کے روز کی تصویر کشی کی گئی ہے اور جنتیوں کی پُر لطف زندگی کا بتایا گیا ہے۔غرض کہ اِس سورت میں توحید، رسالتِ محمدی ﷺ اور آخرت کے متعلق مضامین اِس خوبصورت انداز میں بیان ہوئے ہیں کہ انسان اُن سے اثر لیے بغیر نہیں رہتا۔

سورۃ یٰسٓ کی فضیلت میں احادیث:

سورۃ یٰسٓ کی فضیلت کے متعلق ہمیں ایک حسن درجے کی حدیث ملتی ہے جبکہ باقی احادیث جو ہمیں ملتی ہیں اُن میں کچھ نہ کچھ ضعف پایا جاتا ہے۔اُن میں سے چند احادیث کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

1۔ سورہ یٰسٓ کی فضیلت میں جو مضبوط روایت موجود ہے وہ درج ذیل ہے:

عن صفوان قال: حَدَّثَنِی اَلْمَشِیْخَةُ اَنَّهُم حَضَرُوا غُضَیفَ بْنِ الْحَارِثِ الثَّمَالِیَّ (صحابی) حِیْنَ اشْتَدَّ سَوقُهُ ، فَقَالَ: هَلْ مِنْكُمْ اَحَدٌ یَقْرَأُ یٰس ؟ قَالَ: فَقَرَاهَا صَالِحُ بْنُ شُرَیعِ السَّكُوْنِیَّ، فَلَمَّا بَلَغَ اَربَعِینَ مِنهَا قُبِضَ. قَالَ: فَكَانَ الْمَشِیْخَةُ یَقُولُونَ: اِذَا قُرِئَتْ عِنْدَ الْمَیِّتِ خُفِّفَ عَنهُ بِهَا، قَالَ صَفْوَانُ: وَقَرَأَهَا عِیسَی بْنُ الْمُعْتَمِرِ عِندَ ابْنِ مَعْبَدٍ ، رُوِی احمد (105/4) (16521) (1)

---

1) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے الاصابة (جلد5،صفحہ 324) میں لکھا ہے کہ اِس حدیث کی سند حسن ہے۔ یہی رائے امام بہوتیؒ نے ''شرح منتهی الارادات''(341/1) میں اور امام ابن عابدین نے ''حاشیہ ابن عابدین''(جلد2،صفحہ 191) میں اختیار کی ہے اور اِس حدیث کو حسن کا درجہ دیا ہے۔

''صفوان روایت کرتے ہیں کہ مجھے شیوخ نے بتایا ہے کہ وہ لوگ غضیف بن الحارث الثُّمالی (صحابی) کی موت کے وقت حاضر ہوئے۔ جب اُن کی روح نکلنے کے قریب ہوئی تو انھوں نے کہا: ''کیا تم میں سے کوئی ہے جو سورت یٰس تلاوت کرے؟'' چنانچہ صالح بن شریح السکونی نے سورہ یٰس پڑھی۔ ابھی اُنھوں نے چالیس آیتیں ہی پڑھی تھیں کہ اُن صحابی کی روح قبض ہوگئی۔ پس ہمارے شیوخ کہا کرتے تھے: اِذَا قُرِئَتْ عِنْدَ الْمَيِّتِ خُفِّفَ عَنْهُ بِهَا۔ یعنی اگر سورت یٰس مرنے والے پر پڑھی جائے تو اُس کی سختی میں کمی ہوتی ہے۔ صفوان نے مزید کہ: عیسیٰ بن المعتمر نے ابنِ معبدؓ کی جان کنی کے وقت بھی سورہ یٰس تلاوت کی تھی۔''

2۔ اِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ قَلْبًا، وَقَلْبُ الْقُرْآنِ يٰسٓ . وَمَنْ قَرَأَ يٰسٓ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِقِرَاءَتِهَا، قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ عَشَرَ مَرَّاتٍ

(رواہ الترمذی، حدیث نمبر 3129، عن انس، والدّارمی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن پاک کا دل (سورۃ) یٰسٓ ہے، جس شخص نے سورۃ یٰسٓ کی تلاوت کی۔ اس کی تلاوت کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ اُس کیلئے دس بار قرآن مجید تلاوت کرنے کے برابر (ثواب) لکھ دے گا۔'' (ترمذی) (1)

3۔ مَنْ قَرَأَ يٰسٓ فِيْ صَدْرِ النَّهَارِ قُضِيَتْ حَوَائِجُهُ.

(رواہ الدّارمی، مُرسَل، عن عطاء بن ابی رباح)

حضرت عطاء بن ابی رباحؒ تابعی (المتوفی 114ھ) کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ

---

1) یہ حدیث 'ضعیف' ہے۔ امام ترمذی نے خود اسے غریب کہا ہے، اس حدیث کی سند میں راوی ہارون ابو محمد مجہول ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے موضوع کہا ہے۔ (سلسلۃ جلد: 1، نمبر 169)

رسول ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص نے شروع دن میں، سورۃ یٰسٓ کی تلاوت کی، اُس کی تمام ضرورتیں پوری کی جاتی ہیں'' (1)

4۔ ''حضرت معقل بن یسار سے امام احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اِقْرَأُوْا سورۃ یٰسٓ عَلٰی مَوْتَاکُمْ۔ (ابوداؤد، احمد، ابن ماجہ)

''اپنے مرنے والوں کے روبرو سورۃ یٰسٓ پڑھا کرو۔'' (2)

علمائے کرام کی نظر میں سورۃ یٰسٓ کی فضیلت:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیۃ رحمہ اللہ

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سورت یٰسٓ کی تلاوت کے بارے میں فرماتے ہوں:

---

1) یہ حدیث 'مرسل' ہے، اس کی سند میں کسی 'صحابی' کا نام نہیں ہے، چنانچہ یہ بھی ایک 'ضعیف' روایت ہے۔

2) اِس حدیث کو امام ابن حبان، بیہقی، بغوی، طبری اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔ شیخ البانی نے الارواء الغلیل (جلد۳، صفحہ۱۵۰) میں اِس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ ابنِ حجر عسقلانی نے ''تلخیص الحبیر'' میں اور امام نووی نے ''الاذکار'' میں اِس حدیث کو ضعیف کہا ہے کیونکہ اس کے راویوں میں ابوعثمان نامی راوی کے حالاتِ زندگی محفوظ نہیں۔ امام نووی نے الاذکار میں لکھا ہے: ''اِسْنَادُہُ ضَعِیفٌ فِیْہِ مَجْھُوْلَان، لٰکِنْ لَمْ یُضْعِفْہُ اَبُوداؤدَ'' اس حدیث کو سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں دو مجہول راوی ہیں لیکن اس حدیث کو امام ابوداؤد نے ضعیف نہیں کہا۔''

”والقرائة على الميت بعد موته بدعة، بخلاف القرائة على المحتضر، فانها تستحب بياسين“ (الاختیارات العلمیة۔ ص91)

”اور سورت یٰسں کی تلاوت مردے پر مرنے کے بعد کرنا بدعت ہے اور اُس کے مقابلے میں جس پر موت آرہی ہو اُس کے سامنے سورت یٰسں پڑھنا مستحب ہے۔“

مصطفیٰ سیوطی الرحیبانی الحنبلی

مشہور حنبلی عالم مصطفیٰ السیوطی الرحیبانی فقہ حنبلی کی کتاب ”مطالب اولی النهی فی شرح غایة المنتهی“ میں لکھتے ہیں:

”ان هذه السورة مشتملة على التوحيد و المعاد، و البشرى بالجنة لمن مات على التوحيد، بقوله:(ياليت قومي يعلمون بماغفرلي ربي) فتستبشر الروح بذلك، فيسهال خروجها.“

مطالب اولی النهی فی شرح غایة المنتهی (837/1)

”سورہ یٰسٓ کی مرنے والوں کے سامنے تلاوت کے مستحب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورت توحید اور آخرت کے بیان پر مشتمل ہے اور اس سورت میں ہر اُس شخص کے لیے جنت کی بشارت ہے جو مرتے وقت توحید پر قائم ہو جیسا کہ اس سورت میں ہے: يَـالَيْـتَ قَوْمِـيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَاغَفَرَلِيْ رَبِّيْ (اے کاش میری قوم کو علم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے معاف فرمادیا) تو یہ سن کر روح خوش ہو جاتی ہے اور اُس کا انسان کے جسم سے نکلنا آسان ہو جاتا ہے۔“

شیخ صالح العثیمینؒ

سُنن ابوداوٗد، مُسند احمد اور سُنن ابن ماجہ کی حدیث ''اِقْـرَأُوْا سـورة یٰـسٓ عَـلٰـی مَوْتَاکُم'' کی شرح میں شیخ صالح العثیمینؒ لکھتے ہیں:

''(اقـرا و اعـلى موتا كم يٰسٓ) هذاالحديث ضعيف؛ فيه شيء مـن الـضـعف، ومـحـل القراءة اذا صح الحديث عند الموت إذا اَخذه النزّع، فإنّه يقرأ عليه سورة يس، قال أهلُ العلم: وفيها فائدة وهـو تسهيـل خُـرُوجَ الـرُّوح، لِاَنَّ فيهـا قولهُ تعالى: (قِيْلَ ادْخُلِ الْـجَـنَّةَ قَـالَ يَـا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴾) فيـقـرأ ها عندالمحتضرهذا اِن صح الحديث، وأما قِراءتها على القبرِ فلا اَصْلَ لَهُ''. ''فتاوى ابنِ عثيمين''(74/17)

''یہ حدیث ضعیف ہے اور اِس کی سند میں کچھ ضعف ہے۔اگر یہ حدیث صحیح ہوتو سورہ یٰسٓ پڑھنے کا بہترین وقت وہ ہے جب کسی کی جان نکلنے والی ہو۔علماءکرام نے فرمایا کہ اِس میں فائدہ یہ ہے کہ سورہ یٰسٓ کی تلاوت سے روح نکلنے میں آسانی ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے(اُس شخص کو بشارت ملی کہ''داخل ہو جا جنت میں''اُس (شہید) نے کہا''کاش میری قوم کومعلوم ہوتا کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے باعزت لوگوں میں داخل فرما دیا۔)اگر یہ حدیث صحیح ہوتو قریب المرگ شخص کے پاس اِس سورت کی تلاوت کی جائے اور جہاں تک اِس سورت کے قبر پر جا کر پڑھنے کا تعلق ہےتو اِس بات کی کوئی بنیاد نہیں۔''

قاضی محمد الشوکانیؒ

امام شوکانیؒ اپنی تفسیرِ قرآن "فتح القدیر" میں اور امام دارمی اپنی سنن میں سورت یٰسٓ کی فضیلت میں ترجمانُ القرآن صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اثر نقل کرتے ہیں:

مَنْ قَرَأَ يٰسٓ حِيْنَ يُصْبِحُ اُعْطِيَ يُسْرَ يَوْمِهٖ حَتّٰى يُمْسِيَ وَمَنْ قَرَأَهَا فِيْ صَدْرِ لَيْلَةٍ اُعْطِيَ يُسْرَ لَيْلَتِهٖ حَتّٰى يُصْبِحَ (1)

"جس نے صبح کو سورۂ یٰس پڑھی، اُس کے لیے شام تک ایک دن کی آسانی فراہم کر دی جاتی ہے اور جو رات کے ابتدائی حصے میں اِسے پڑھتا ہے، اُسے صبح تک ایک رات کی آسانی فراہم کر دی جاتی ہے۔"

مرنے کے قریب لوگوں کے سامنے سورۃ یٰسٓ پڑھنے کی مصلحت:

پس جو شخص زندگی کی آخری گھڑیوں میں ہو تو اُس کے سامنے سورۂ یٰس پڑھنے کی مصلحت یہ ہے کہ مرتے وقت مسلمان کے ذہن میں اسلام کے تمام بنیادی عقائد تازہ ہو جائیں اور اُس کے سامنے آخرت کا پورا نقشہ آ جائے اور اُسے پتہ چل جائے کہ دنیاوی زندگی کی منزل سے گزر کر اب آگے کن منزلوں سے اُس کو سابقہ پیش آنے والا ہے۔ اس لیے یہ مناسب معلوم

---

1) فتح القدیر للشوکانی، 4/359 ۔ الدارمی فی السنن، فضائل القرآن، باب فی فضل یٰس: 3285

ہوتا ہے کہ بسترِ مرگ پر پڑے مسلمان کو سورہ یٰس سنانے کے ساتھ ساتھ اُس کا ترجمہ بھی سنا دیا جائے کیونکہ اگر اُس کو عربی نہیں آتی تو اُس کو کچھ پتہ نہیں چلے گا کہ سورہ یٰس جو اُس کے سامنے تلاوت کی جا رہی ہے اُس میں اللہ تعالیٰ نے اُسے کیا پیغام دیا ہے۔ ویسے بھی موت کے وقت شیطان کے حملے سے بچنے کے لیے سورہ یٰس کا ترجمہ سمجھ آنا بھی ضروری ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ موت کا وقت نہایت کڑا وقت ہوتا ہے۔ اُس وقت جبکہ انسان شدید تکلیف (سکرت الموت) میں ہوتا ہے تو شیطان اُس موقع سے فائدہ اٹھا کر انسان سے کفر کروانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں:

احضروا موتاکم وذکروھم فانھم یرون مالاترون (1)

”اپنے قریب المرگ (on death bed) لوگوں کے پاس رہو اور اُن کو اللہ کا نام یاد دلاؤ اس لیے کہ وہ ایسی چیزوں کو دیکھتے ہیں جن کو تم نہیں دیکھتے۔“

نیز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد میں یہ الفاظ منقول ہیں:

فانھم یرون ویقال لھم کنزیرون ابن ابی شیبہ وسعید بن منصور فی سنة (2)

”اس لیے کہ وہ کچھ چیزیں دیکھتے ہیں اور اُن سے کچھ باتیں کی جاتی ہیں (مثلاً شیاطین آ کر اُن سے گمراہ کرنے والی باتیں کرتے ہیں)

---

1) اخرج ابن ابی دنیا فی کتاب المختصر کنزالاعمال، جلد8، صفحہ 111

2) کنزالاعمال، جلد8، صفحہ 111، ابن ابی شیبہ وسعید بن منصور فی سنة

امام شعرانی نے اپنی کتاب ''**مختصر تذکرہ قرطبی**'' میں تحریر فرمایا ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ جب انسان نزع کے عالم میں ہوتا ہے تو دو شیاطین اُس کے داہنے اور بائیں آکر بیٹھتے ہیں (داہنی جانب والا اس کے باپ کی شکل میں آتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ بیٹا کہ میں تجھ پر مہربان و شفیق ہوں۔ میں نصیحت کرتا ہوں کہ تو نصاریٰ کا مذہب اختیار کر کے مرنا۔ کیونکہ وہی بہترین مذہب ہے اور بائیں جانب والا شیطان میت کی ماں کی شکل میں آتا ہے اور کہتا ہے کہ بیٹا میں نے تجھے اپنے پیٹ میں رکھا، دودھ پلایا، گود میں پالا ہے۔ میں تجھے نصیحت کرتی ہوں کہ یہود کا مذہب اختیار کر کے مرنا، کیونکہ وہی بہترین مذہب ہے۔ (ذکرہ ابوالحسن المالکی)

امام قرطبیؒ اپنے اُستاد ابوجعفر قرطبی کی وفات کے متعلق اپنی کتاب التذکرہ میں لکھتے ہیں:

''امام ابوجعفر قرطبیؒ کا نزع شروع ہوا تو حاضرین نے کہا کہ لا الہ الا اللہ پڑھئے۔ وہ اُن کے جواب میں کہتے تھے ''لا (نہیں)'' کچھ دیر کے بعد اُن کی طبیعت کچھ بہتر ہوئی۔ آنکھ کھولی تو لوگوں نے عرض کیا کہ کلمہ طیبہ کی تلقین کے جواب میں آپ ''لا (نہیں)'' کہہ رہے تھے۔ یہ کیا ماجرا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے جواب میں یہ کلمہ نہیں کہہ رہا تھا، بلکہ دو شیطان میرے سامنے کھڑے تھے، ایک یہ کہہ رہا تھا کہ نصاریٰ کے مذہب پر مرنا، دوسرا کہتا تھا کہ یہود کے مذہب پر مرنا، میں اُن کے جواب میں کہتا تھا: لا لا (نہیں، نہیں) (التذکرہ صفحہ ۳۳)

امام احمدؒ بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ اپنی کتاب ''**الزوائد علی کتاب الزھد**'' میں روایت کرتے ہیں کہ جب اُن کے والد بستر مرگ پر تھے تو وہ پسینے میں شرابور تھے۔ اُن پر غشی طاری ہوتی اور جب وہ ہوش میں آتے تو کہتے: "لَا بَعْدُ ، لَا بَعْدُ" (ابھی نہیں بلکہ بعد میں، ابھی نہیں بلکہ بعد میں)۔ عبداللہ نے اپنے والد سے پوچھا کہ وہ یہ الفاظ کیوں کہہ رہے ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے جواب دیا: ''بیٹا! ابھی ابھی شیطان میرے بستر کے قریب اپنے

دانتوں میں انگلیاں ڈالے کھڑا مجھ سے یہ کہہ رہا تھا: ''افسوس! اے احمد تم میرے جال سے بچ کر نکل گئے!'' امام احمد بن حنبل نے جواب دیا:''ابھی نہیں بلکہ بعد میں (جب میں مرجاؤں)'' (1)

شیطان دراصل امام احمد بن حنبل کو یہ کہہ کر وہ اس کے چنگل سے نکل گئے اپنی طرف سے غافل کرنا چاہتا تھا لیکن امام احمد شیطان کے دام میں نہ آئے۔

المختصر یہ کہ سورۃ یٰسٓ میں توحیدِ خداوندی، رسالتِ محمدی ﷺ اور آخرت کے متعلق مضامین اس زوردار طریقے سے بیان ہوئے ہیں کہ امید کی جاتی ہے کہ ہر انسان جو اِسے سنتا ہے چاہے وہ جوان صحت مند ہو چاہے وہ بسترِ مرگ پر ہو اس کے دل کے قفل ٹوٹ سکتے ہیں اور اللہ کے حضور سچی توبہ کی اُسے توفیق ہو سکتی ہے۔

اِس کتاب کو لکھنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ نہ صرف اِس سورت کو ترجمہ کے ساتھ بیماروں اور قریب المرگ لوگوں کے سامنے پڑھا جائے بلکہ سوسائٹی میں عام مسلمان بھی اجتماعی مطالعے میں اور دروسِ قرآن میں اس کتاب میں پیش کی گئی تفسیر سے مدد لے سکیں۔ جب کوئی آپ کو اپنے گھر میں کسی مشکل کے حل کے لیے یا کسی اور مقصد کے لیے سورہ یٰس کا ختم پڑھنے کی دعوت دے تو آپ اُن لوگوں کو سورہ یٰس کا اُردو ترجمہ اور تفسیر اُس موقع پر درس کی صورت میں سنائیں۔ مجھے یقین ہے کہ جس شخص کو بھی سورہ یٰس سے سچی محبت ہے وہ اس بات پر اصرار نہیں کرے گا کہ اُس نے اس سورت کو صرف طوطے کی طرح بار بار دھرانا ہے بلکہ یہ جاننا پسند کرے گا کہ اُس کی اِس چہیتی (Favourite) سورت کا اصل پیغام (Underlying message) کیا ہے اور یہی تفسیر کا مقصد ہے۔

---

1) الزوائد علی کتاب الزھد، عبداللہ بن احمدؒ بن حنبل، مطبوعہ مصر

سورۃ یٰسٓ ۔ ترجمہ اور تفسیر

یٰسٓ o وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ o إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ o عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ o تَنزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ o لِتُنذِرَ قَوْماً مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ o

---

یٰسٓ۔ قسم ہے قرآن کی جو حکمتوں سے بھرا ہوا ہے کہ آپ یقیناً رسولوںؑ میں سے ہیں، آپ سیدھی راہ پر ہیں۔ یہ قرآن خدائے زبردست مہربان کی طرف سے نازل کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ اُن لوگوں کو خبردار (W a r n) کریں جن کے آباء واجداد (Forefathers) کو خبردار نہیں کیا گیا تھا اور اِس وجہ سے وہ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

آیات 1 سے 6 تک کی تفسیر:

یٰسٓ دراصل حروفِ مقطعات میں سے ہے۔ قرآن کی 29 سورتوں کی ابتداء (مثلاً

الٓمٓ ۔الٓر ۔ طٰهٰ ۔ طٰسٓمٓ ۔حٰمٓ وغیرہ) حروفِ مقطعات سے ہوتی ہے۔ بعض مفسرین جن میں ابن عباس ،عکرمہ، ضحاک، حسن البصری اورسفیان بن عیینہ شامل ہیں نے اِس کے معنی یَاۤاَیُّھَاالْاِنْسَان ''(اے انسان) کے لیے لیکن اس کی کوئی دلیل موجودنہیں۔

یہ بات غورطلب ہے کہ قرآن میں جب بھی کسی سورت کی ابتداء میں حروفِ مقطعات آئے ہیں تو اس کے فوراًبعد اگلی آیت میں قرآن کی تعریف بیان کی گئی ہے اور یہی چیز سورہ یٰسٓ میں بھی پائی جاتی ہے یعنی وَالْقُرْآنِ الحکیم (قسم ہے حکمت سے بھرپور قرآن کی)۔ حروفِ مقطعات کے متعلق مفسرین کی اکثریت کا فیصلہ یہ ہے کہ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ یعنی اللہ ہی بہتر جانتا ہے (اُن کے معنی)۔ اسی لیے الجزائر کے ماہر عمرانیات مالک بن بی نے حروفِ مقطعات کے لیے (Imponderables) کی اصطلاح استعمال کی ہے یعنی ''جن کے معنی ہم سمجھنے سے قاصر ہیں''۔ مالک بن بی (Malik Bennabi) حروفِ مقطعات کے متعلق اپنی کتاب "The Quranic Phenomenon" میں لکھتے ہیں:

"In the abundant and rich personal literature attibuted as such to Muhammad's self under the name of hadith, there is no trace of these imponderables. No oral tradition of the prophet has ever been announced with such symbolic headings." (1)

''حضرت محمد ﷺ کی ذات کی طرف منسوب وسیع اور زرخیز علمی ذخیرہ جسے ہم ''حدیث'' کہتے ہیں اُس میں حروفِ مقطعات کا نام ونشان نہیں ملتا۔حضور ﷺ کے منہ سے نکلی کسی ایک حدیث کے شروع میں بھی یہ علامتی حروف نہیں پائے جاتے۔''

---

1) Bennabi, Malik (2001). The Quranic Phenomenon: An Essay of a Theory on the Qur'an. Kuala Lumpur, Islamic Book Trust.

مالک بن نبی کے مطابق حروفِ مقطعات کی صرف قرآن میں موجودگی اور حدیث میں موجود نہ ہونا بجائے خود حضور ﷺ کی رسالت کی سب سے بڑی نشانی ہے اور یہی یٰسٓ سے اگلی آیت بھی کہہ رہی ہے: ''قسم ہے قرآنِ حکیم کی کہ بیشک آپ ﷺ رسولوں میں سے ہیں''۔ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ یقین دھانی اِس لئے بھی کروائی کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ اُس وقت مکہ میں حضور ﷺ کی نبوت کے انکار کی فضا چھائی ہوئی تھی ۔ ابوجہل، ابولھب، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف جیسے سرمایہ دار اور سیاستدان اور اُن کے میڈیا کی پوری مشینری رسول کریم ﷺ کے خلاف حرکت میں آئی ہوئی تھی۔ آپ کی دعوت کے خلاف ہر قسم کا پروپگینڈہ کیا جا رہا تھا اور مکہ کے جاہل عوام آج کل کی عوام کی طرح میڈیا کی ہر بات پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتے تھے۔ کفارِ مکہ اُس وقت کے میسر میڈیا اور پروپیگنڈے کے زور پر مکہ میں کمزور مسلمانوں کی اقلیت اور خود حضور ﷺ کی ذات کو نشانہ بنا رہے تھے اور اُن لوگوں پر مختلف لیبل چسپاں کر کے (Labelling and streotyping) انھیں بدنام کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جو لوگ سیدھے راستے سے منحرف ہیں اُن کی عقل کی تو ایسی مت ماری ہوئی ہے کہ انھیں سیدھی راہ بھی ٹیڑھی نظر آ رہی ہے۔ ایسے دور میں قرآن نے آپ ﷺ کی ہمت بندھائی کہ یقیناً آپ ﷺ سیدھی راہ پر ہیں اور یہ قرآن زبردست خدا کا نازل کردہ ہے تاکہ آپ ﷺ لوگوں کو سیدھے راستے کی دعوت دیں۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ٥

ان میں سے اکثر لوگ فیصلۂ عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔ سو یہ (ہرگز) ایمان نہ لائیں گے۔

آیت 7 کی تفسیر:

اِس آیت میں بتایا گیا ہے کہ کفارِ مکہ میں سے اکثریت گمراہوں کی ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کے رسول اور انبیاء جب بھی اِس دنیا میں آئے اُس وقت لوگوں کی اکثریت اللہ کی نافرمانی میں مبتلا تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن ہمیں اکثریت کے اتباع سے روکتا ہے۔

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ٥ (سورہ الانعام۔آیت 116)

ترجمہ: اگر آپ ﷺ نے زمین پر موجود اکثریت کی بات مانی تو یہ آپ کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کردیں گے۔ وہ اِس لیے کہ یہ تو بس گمان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ سوچتے نہیں۔

﴿ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ﴾ (المائدہ۔آیت 49)

ترجمہ: اور بے شک لوگوں میں زیادہ اکثریت سرکش اور (اللہ کے) نافرمان لوگوں کی ہے۔

انسانوں کی یہ نیچر ہے کہ اُن کی اکثریت گمراہی کی طرف آسانی سے مائل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا حق و باطل کی پہچان کثرت نہیں بلکہ قرآن و سنت ہے۔ اگر اکثریت اللہ کی نازل کی ہوئی ھدایت کی پرواہ نہیں کرتی تو اللہ کو بھی اُن کی پرواہ نہیں۔ اسی لیے جب شیطان نے اللہ سے کہا تھا کہ وہ اولادِ آدم کی اکثریت کو گمراہ کر کے چھوڑے گا تو اُس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

﴿ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ ﴾ (سورہ الاعراف: 18)

(اے شیطان ان (اولادِ آدم) میں سے جو تیری پیروی کریں گے، تجھ سمیت اُن سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔)

إِنَّا جَعَلْنَا فِيْ أَعْنَاقِهِمْ أَغْلالاً فَهِيَ إِلَى الأَذْقَانِ فَهُم مُّقْمَحُونَ ٥

هم نے اُن کی گردنوں میں (گمراہی اور شیطان کی غلامی کے) طوق ڈال دیئے ہیں جو اُن کی ٹھوڑیوں تک آ گئے ہیں اور اُن کے سر پھنس کر رہ گئے ہیں۔

آیت 8 کی تفسیر:

اس آیت میں ''طوق'' سے مراد گمراہی اور شیطان کی غلامی کا طوق ہے جو اُن کفار کی اپنی ہٹ دھرمی (Stubborness) کی وجہ سے ان کے گلے میں پڑ گیا ہے۔ ''مقمح'' دراصل اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کا سر پیچھے کی جانب اس طرح باندھ دیا گیا ہو کہ اُس کی گردن ایک خاص حد سے نہ نیچی ہو سکے نہ اوپر۔ بالکل یہی حال اُس شخص کا ہوتا ہے جس کے گلے میں آہنی طوق ڈال دیا گیا ہو جو اُس کی ٹھوڑی تک آیا ہوا ہو اور اُس کا سر اُس میں پھنسا ہوا ہو کہ وہ اپنا سر اِدھر اُدھر نہیں کر سکتا اور اپنے اردگرد کی نشانیوں کو نہیں دیکھتا۔ یہ دراصل متکبرین (arrogant) لوگوں کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ ایسے لوگ حق بات سے جاہل تو تھے ہی (اپنے آباؤاجداد کی طرح) اور اُس کے ساتھ ساتھ مغرور بھی ہیں اور تکبر اور جہالت (arrogance and ignorance) کا ایک جگہ جمع ہو جانا نہایت مہلک امتزاج (deadly combination) ہوتا ہے کیونکہ ایسے لوگوں کے لیے ہدایت قبول کرنا اگر محال نہیں تو کم از کم مشکل ضرور ہوتا ہے۔

وَ جَعَلْنَا مِن بَيْنِ أَيْدِيْهِمْ سَدّاً وَ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدّاً فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لاَ يُبْصِرُونَ o

---

ہم نے ایک دیوار اُن کے آگے کھڑی کردی ہے اور ایک ان کے پیچھے۔ اِس طرح انھیں ڈھانک دیا ہے لہٰذا وہ کچھ نہیں دیکھتے۔

آیت 9 کی تفسیر:

ایک دیوار آگے اور ایک پیچھے کھڑی کردینے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ ایسی جہالت اور تکبر کی وجہ سے نہ ماضی کی قوموں کا انجام سے کچھ سبق لیتے ہیں اور نہ مستقبل کے نتائج پر کچھ غور کرتے ہیں۔اُن کی ضد اور ہٹ دھرمی کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اپنے باپ دادا کے دور کی گمراہ کن خاندانی یا معاشرتی روایات سے اندھی محبت اور اپنے مستقبل میں دنیاوی فوائد کی لالچ کی وجہ سے پیغام حق کو نہیں دیکھ پارہے۔

امام ابن کثیراپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ سورہ یٰسٓ کی یہی پہلی 9 آیات (یٰسٓ سے فھم لایبصرون تک) تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت پڑھ رہے تھے جب مشرکینِ مکہ نے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور آپؐ اپنے بستر پر حضرت علی بن ابی طالب کو لٹا کر خود ہجرت کے لیے گھر سے نکلے۔ اُس وقت آپؐ کی مٹھی میں خاک تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا سورہ یٰسٓ سے لایبصرون تک پڑھتے ہوئے آرہے تھے۔اللہ نے اُن سب کو اندھا کردیا اور آپ اُن کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے تشریف لے گئے۔اُن بدبختوں کا گروہ کا گروہ آپ کے گھر کو گھیرے ہوئے تھا۔اس کے بہت بعد ایک صاحب گھر سے نکلے۔ان سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے گھیرا ڈالے کھڑے ہو؟ انہوں نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں ہیں۔آج اُن کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔اس نے کہا:

وہ تو نکل گئے اورتم سب کے سروں پرخاک ڈالتے ہوئے گئے۔ یقین نہ ہوتو اپنے سر جھاڑو۔ جب اُن کافروں نے اپنا سر جھاڑا تو واقعی سر پر خاک موجود تھی۔

اسی سلسلے میں تفسیر قرطبی میں امام قرطبیؒ اپنا ایک ذاتی واقعہ فرماتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''مجھے خود اپنے ملک اندلس میں قرطبہ کے قریب قلعہ منشور میں یہ واقعہ پیش آیا کہ میں دشمن کے سامنے بھاگا اور ایک گوشہ میں بیٹھ گیا۔ دشمن نے دو گھوڑ سوار میرے تعاقب میں بھیجے اور میں بالکل کھلے میدان میں تھا۔ کوئی چیز مجھے چھپانے والی نہ تھی مگر میں سورۃ یٰسین کی یہ آیتیں پڑھ رہا تھا۔ یہ دونوں سوار میرے برابر سے گذرے پھر جہاں سے آئے تھے یہ کہتے ہوئے لوٹ گئے کہ یہ شخص کوئی شیطان ہے کیونکہ وہ مجھے دیکھ نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو مجھ سے اندھا کر دیا تھا۔'' (1)

---

1) تفسیر قرطبی۔ سورۃ یٰس بحوالہ معارف القرآن جلد ۵ صفحہ ۴۹۱، سورۃ بنی اسرائیل: آیت ۴۶

وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ o إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ o

اور اُن کے لیے یکساں ہے، آپؐ ان کو خبر دار (Warn) کریں یا نہ کریں، یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اُسی شخص کو خبر دار کر سکتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرے اور بغیر دیکھے خدائے رحمٰن سے ڈرے۔

آیات 10 اور 11 کی تفسیر:

یعنی کچھ لوگ اتنے ہٹ دھرم ہیں کہ انھیں حق کی طرف دعوت دینا گویا کہ لوہے میں میخ ٹھونکنے کی طرح ہے کہ میخ ٹیڑھی ہو جائے گی لیکن لوہے میں داخل نہ ہوگی۔ ایسے لوگوں کے دل بھی حق بات کے مقابلے میں لوہے کی طرح سخت ہو چکے ہوتے ہیں:

؎ پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

اسکے برعکس ایسے لوگ بھی معاشرے میں موجود ہوتے ہیں جو نصیحت کو قبول کرنے والے اور خدا کے خوف سے سیدھی راہ پر آجانے والے ہوتے ہیں کیونکہ ایمان وہی معتبر (Reliable) ہوتا ہے جو عقل اور دل اور سمجھ بوجھ کر لایا جاتا ہے نہ کہ آنکھوں سے سارے حقائق دیکھ کر۔ اللہ کی ذات پر بغیر دیکھے ایمان لانا ہی اصل ایمان ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا
وَآثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ أحْصَيْنَاهُ فِيْ إِمَامٍ مُبِيْنٍ o

بے شک ہم مردوں کوزندہ کریں گے (قیامت کے بعد) اور ہم نوٹ کرر ہے ہیں جو اعمال انھوں نے کیئے ہیں اور اُن کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہر چیز کو ہم نے ایک واضح کتاب میں درج کرر کھا ہے۔

آیت 12 کی تفسیر:

اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی زندگی میں اعمال کا اندراج تین طرح کا ہوتا ہے:
ایک وہ عمل جو اُس نے کیا(اچھا عمل یا بُرا عمل) اُس کے نامہ اعمال میں لکھ لیا جاتا ہے۔

دوسرے اُس عمل کے اثرات اُس کے اپنے جسم اور اپنی شخصیت پر۔ مثلاً بُرے اعمال کے اثرات اُس کے چہرے پر خدا کی پھٹکار کی صورت میں یا اللہ کی اطاعت کی صورت میں جسم پر اچھے اثرات۔

تیسرے اُس عمل کے آثار و نتائج جو اس کے مرنے کے بعد آئندہ آنے والی نسلوں اور پورے معاشرے پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ انسان کے نامہ اعمال میں لکھے جاتے ہیں۔ اُس نے اپنی اولاد کو اچھی تربیت دی ہے یا بُری، اپنی اولاد کو دینی علوم سکھائے ہیں یا صرف دنیاوی علوم سکھا کر پیسہ بنانے والی مشین (ATM banking machine)

بنایا ہے جسے دین کا کچھ علم نہیں ہوتا، اپنے معاشرے میں جو بھلائیاں یا برائیاں اُس نے پھیلائی ہیں مثلاً اگر اُس نے غریبوں کے لیے ہسپتال کھولا ہے یا اسلامی درس گاہ قائم کی ہے یا اسلامی کتب کی لائبریری بنوائی ہے یا لوگوں کی فلاح کے لیے ٹیوب ویل لگوائے وغیرہ تو یہ سب اُس کے لیے قیامت تک صدقہ جاریہ ہے جبکہ کسی انسان نے سینما بنوایا یا اپنی بہو بیٹیوں کو بے پردگی کا درس دیا یا حرام چیزوں کا بزنس شروع کیا مثلاً ویڈیو، DVD، آڈیو کی دکانیں جن میں فلموں اور گانوں کے کیسٹ بیچے جاتے ہیں اور عورتوں کی تصاویر والی چیزوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے یا عورتوں کی ماڈلنگ کرنے والی اشتہاری کمپنی کی بنیاد رکھی ۔عورتوں کے ایسے ریڈی میڈ کپڑوں کا کاروبار جو باریک یا غیر ساتر مثلاً(Deep neck, half sleeves) ڈیزائنوں پر مشتمل ہو یا بینک سے سود پر قرضہ لے کر اپنا بزنس کھڑا کیا یا منشیات کی خرید و فروخت کا نیٹ ورک شروع کیا وغیرہ وغیرہ تو یہ سب ''گناہ جاریہ'' ہیں جن کا گناہ اُس شخص کے مرنے کے بعد بھی اُس کے نامہ اعمال کے بینک اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہوتا رہے گا جب تک اُس کے گناہ کے اثرات معاشرے میں موجود رہیں گے ۔حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا تھا:

''بدترین ہے وہ شخص جس کا گناہ اُس کے مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔''

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلاً أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ٥

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مثال کے طور پر اُن کو اُس بستی والوں کا قصہ سنائیے جب کہ اُس میں رسول آئے تھے۔

آیت 13 کی تفسیر:

بعض پرانے مفسرین کے خیال سے اِس بستی سے مراد شام کا شہر انطا کیہ ہے اور جن رسولوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے انھیں عیسیٰؑ نے تبلیغ کے لیے بھیجا تھا لیکن حقیقت میں اس سے مراد کوئی اور بستی ہے جیسا کہ تاریخی شواہد بتاتے ہیں۔ مزید برآں، وہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے بھیجے ہوئے حواری نہیں تھے بلکہ خود مستقل رسول تھے کیونکہ ابن کثیر کے مطابق اِس آیت میں یہ قرینہ موجود ہے کہ ان کفار نے انھیں کہا:

﴿ قَالُوْ مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا ﴾ (تم تو ہم ہی جیسے انسان ہو)

یہ کلمہ تو کفار ہمیشہ رسولوں کو ہی کہتے رہے ہیں۔ اگر وہ حواریوں میں سے ہوتے تب تو اُن کا دعوی مستقل رسالت کا تھا ہی نہیں۔ پھر انھیں یہ لوگ یہ الزام ہی کیوں دیتے؟ دراصل اِس بستی کے قصے کو بیان کرنے کا مقصد قریش کو تنبیہ کرنا تھا کہ تم ہٹ دھرمی سے باز آجاوَ ورنہ تمھارا انجام بھی وہی ہوگا جو اُن لوگوں کا ہوا۔

إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُم مُّرْسَلُونَ ٥ قَالُوا مَا أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا أَنزَلَ الرَّحْمَٰنُ مِن شَيْءٍ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ ٥

جب پہلے ہم نے اُن کے پاس دو رسول بھیجے تو انھوں نے دونوں کو جھٹلا دیا۔ پھر ہم نے تیسرا (رسول) مدد کے لئے بھیجا اور اُنھوں نے کہا: ”بلاشبہ ہم تمھارے پاس رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔“ بستی والوں نے جواب دیا: ”تم تو بس ہمارے ہی جیسے انسان ہو اور خدائے رحمٰن نے کوئی چیز بھی نازل نہیں کی ہے۔ تم محض جھوٹ بولتے ہو۔“

آیات 14 سے 15 تک کی تفسیر:

مشرکین اور گمراہ لوگ پرانے زمانے سے اسی گمراہی میں مبتلا چلے آئے ہیں کہ کوئی انسان اللہ کا رسول نہیں ہوسکتا۔ اِس مفروضے کی بنیاد پر انھوں نے تمام انبیا کرام کی دعوت کو یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ تم ہمارے ہی طرح کے گوشت پوست کے انسان ہو۔ تم رسول نہیں ہو سکتے۔ حضورؐ کے متعلق یہی خیال کفارِ مکہ کا تھا۔

وَقَالُوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ٥ (الفرقان:۷)

”وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔“

حضرت نوحؑ کو بھی ان کی قوم نے یہی طعنہ دیا تھا:

مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاء اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ o (المومنون: 24)

''یہ شخص اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایک بشر ہے تم ہی جیسا، اور چاہتا ہے کہ تم پر اپنی فضیلت جمائے۔ حالانکہ اگر اللہ چاہتا تو فرشتے نازل کرتا۔ ہم نے تو یہ بات کبھی اپنے باپ دادا سے نہیں سنی (کہ انسان رسول بن کر آئے)۔''

اسی طرح قوم ثمود نے حضرت صالح ؑ کے متعلق بھی یہی کہا تھا کہ:

﴿فَقَالُوا أَبَشَراً مِّنَّا وَاحِداً نَّتَّبِعُه﴾ (القمر: 24)

''کیا ہم اپنے میں سے ایک بشر کی پیروی اختیار کر لیں؟''

قرآن یہ بات بالکل واضح کرتا ہے کہ اللہ نے ہمیشہ انسانوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے کسی فرشتے یا دوسری مخلوق کو نہیں:

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالاً نُّوحِيْ إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُواْ أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ o وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَداً لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِيْنَ o

''ہم نے تم سے پہلے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہے جن پر وحی کرتے تھے۔ اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ علم سے پوچھ لو۔ اور ہم نے ان کو ایسے جسم نہیں بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ جینے والے تھے۔'' (الانبیاء: 8 ,7)

وَما أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ o (الفرقان: 20)

''ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجے تھے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔''

قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ ٥ وَمَا عَلَيْنَا
إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ٥ قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِن لَّمْ
تَنتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ٥
قَالُوا طَائِرُكُم مَّعَكُمْ أَئِن ذُكِّرْتُم بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ
مُّسْرِفُونَ ٥

اُن رسولوںؑ نے کہا: ''ہمارا رب گواہ ہے کہ ہم تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور ہماری ذمہ داری تو بس صاف صاف پیغام پہنچا دینے کی ہے۔''

بستی والوں نے کہا: ''ہم تو تمھیں اپنے لئے منحوس (bad omen) سمجھتے ہیں۔ اگر تم (اعلائے کلمۃ الحق اور امر بالمعروف کے کام سے) باز نہ آئے تو ہم پتھر مار مار کر تمھیں قتل کر دیں گے اور تم کو ہمارے ہاتھوں بڑا دکھ پہنچے گا۔''

رسولوںؑ نے جواب دیا: ''تمھاری نحوست تو تمھارے اپنے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ کیا یہ باتیں تم اس لیے کرتے ہو کہ تمھیں نصیحت کی گئی

ہے؟ اصل میں تم لوگ حد (عقل اور شریعت) سے نکل جانے والے لوگ ہو۔‘‘

آیات 16 سے 19 تک کی تفسیر:

بستی کے لوگوں نے وہی کام کیا جو ہمیشہ سے منکرین خدا اور منکرین رسالت کرتے آئے ہیں کہ انھوں نے اُن رسولوں پر جھوٹا ہونے کا الزام لگا دیا۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے رسولوں پر بدشگونی (Bad omen) کا الزام بھی لگایا۔ یعنی چونکہ اُن رسولوں نے اُن لوگوں کے دیوتاؤں کو بُرا کہا ہے اسلئے اُن پر آفات نازل ہو سکتی ہیں۔ بعینیہ یہی الزام کفارِ مکہ نے حضورؐ پر لگایا تھا جیسا کہ قرآن ہمیں بتاتا ہے:

﴿ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِكَ ﴾

(سورۃ النساء:77)

(اگر انھیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تمھاری بدولت ہے۔)

یہ بھی یاد رہے کہ اس امتِ مسلمہ میں جو لوگ بھی معاشرے میں برائی کے خلاف آواز بلند کریں گے تو اُن مومنین کو بھی ایسے ہی طعنوں کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ایسا کبھی ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص معاشرے میں مروج برائی کے خلاف آواز بلند کرے اور معاشرے کے لوگ اُسے گلے سے لگالیں۔ اگر ہم انبیاء کرام کی زندگیاں دیکھیں تو ہم نوٹ کریں گے کہ اُن سب نے سوسائٹی میں مروج بُرائیوں کے خلاف آواز اٹھائی اسی لیے کوئی نبی یا رسول بھی اپنے لوگوں میں اُس طرح مقبول نہیں ہوا جس طرح آج کے سیاستدان میڈیا میں مشہور ہوتے ہیں۔

مثلاً اگر حضرت شعیب ؑ اپنی قوم کو ہم جنس پرستی کے گناہ کے خلاف سرزنش کرتے تو اُن

کی قوم شاید انہیں اپنے کاندھوں پر اٹھاتی کیونکہ یہ بُرائی قوم شعیب میں موجود ہی نہ تھی لیکن چونکہ حضرت شعیبؑ نے معذرت خواہانہ انداز اختیار کئے بغیر اپنی قوم کو اُن میں مروّج بُرائی یعنی ناپ تول میں کمی اور کاروبار میں بد دیانتی کے متعلق ٹوکا، تو اُن کی قوم حضرت شعیبؑ کی دشمن بن گئی۔ اسی طرح اگر لوطؑ اپنی قوم کو شراب خوری، غیبت یا جوا کھیلنے سے منع کرتے تو شاید وہ اپنی قوم میں بہت مقبول ہوتے کیونکہ یہ اُن کی قوم میں عام بُرائیاں نہ تھیں لیکن لوطؑ نے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے بے پرواہ ہوکر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا اور اپنی قوم کو ہم جنس پرستی کی بُرائی پر ٹوکا تو پوری قوم ان کی دشمن بن گئی۔

اس سلسلے میں ایک اسلامی عالم شیخ ابن الوردیؒ نے بہت ہی خوبصورت بات کہی ہے:

''دعوتِ دین اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر (نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے لوگوں کو روکنے) کا کام جو شخص بھی صدق دل سے کرے گا اُس پر چار آزمائشیں ضرور آئیں گی:

1) طَعْنُ الْجُهَلَاءِ (تنگ نظر اور جاہلوں کے طعنے)

2) شَمَاتَةُ الْاَعْدَاءِ (دشمنوں کی شرارت)

3) مَلَامَةُ الْاَصْدِقَاءِ (دوستوں رشتہ داروں کی طرف سے ملامت)

4) حَسَدُ الْعُلَمَاءِ (سرکاری علماء کا حسد)''

اُن رسولوں نے بھی اُن لوگوں کو نہایت عمدہ جواب دیا کہ تمھارے اپنے برے اعمال ہی سب سے بڑی نحوست ہیں اور تم پر مصیبت تمھارے اپنے اعمال کی مرہون منت ہے۔ دراصل تم لوگ حق کی دشمنی میں عقل اور شریعت کی حدوں سے باہر نکل گئے ہو۔

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَسْعَى قَالَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ o اِتَّبِعُوا مَنْ لَّا يَسْأَلُكُمْ أَجْراً وَهُم مُّهْتَدُون o وَمَا لِيَ لاَ أَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ o

---

اتنے میں شہر کے دور کسی علاقے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور بولا: ''اے میری قوم کے لوگو! رسولوں کے راستے پر چلو۔ اُن لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے کوئی صلہ (Reward/Return) نہیں مانگتے اور وہ سیدھے راستے پر ہیں۔ اور میں کیوں نہ اُس ہستی کی بندگی کروں جس پروردگار نے مجھے ''فطرۃ'' پر پیدا کیا اور جس کی طرف تم سب کو پلٹ کر جانا ہے۔''

آیات 20 سے 22 تک کی تفسیر:

شہیدُ الدّعوۃ حبیب النّجار کا قصہ

یہاں اللہ تعالیٰ نے شہید الدعوۃ یعنی دعوت وتبلیغ کے کام میں شہید ہونے والے کا ذکر کیا ہے۔ حقیقت میں یہ واقعہ اِس سورت کا دل ہے۔ اِس بستی کے واقعے میں اس پوری سورت کا پیغام سمو دیا گیا ہے۔

مفسرِ قرآن ابنِ کثیرؒ بیان کرتے ہیں کہ اس بستی کے لوگ یہاں تک سرکش ہو گئے کہ انھوں نے خفیہ طور پر ان تین رسولوں کے قتل کا ارادہ کرلیا۔ایک مسلمان شخص جو اُس بستی کے آخری حصے میں رہتا تھا جس کا نام حبیب تھا۔ بعض لوگوں کے مطابق وہ بڑھئی تھا اِس لیے اُسے حبیب النجار کہتے ہیں۔بہت سخی آدمی تھا۔جو کماتا تھا اُس کا آدھا حصہ اللہ کے راستے میں صدقہ خیرات کردیتا تھا۔دل کا نرم اور فطرت کا اچھا تھا۔اُسے جب اپنی قوم کے بُرے ارادے کا علم ہوا تو اُس سے صبر نہ ہو سکا۔دُوڑتا ہوا آیا اور اپنے قوم کو نصیحت کرنے لگا۔

حبیب النجار نے اپنی قوم کو سمجھایا اور بتایا کہ مبلغ اور داعی حق کے دو بنیادی اوصاف ہوتے ہیں: (1) بےغرضی (Selflessness) (2) ہدایت یافتہ ہونا۔ اُن کی اپنی سیرت بے داغ ہوتی ہے۔وہ بےغرضی سے دین کا کام کررہے ہوتے ہیں اور کسی اَجر یا صلہ (Reward / wages) کے طلبگار نہیں ہوتے۔دوسرا وہ جس راستے کی طرف بلا رہے ہوتے ہیں اُس پر خود بھی عمل کرنے والے ہوتے ہیں۔اُن کی اپنی کوششوں کا مرکز و محور صرف اللہ کی رضا ہوتا ہے۔

پھر حبیب النجار نے اپنی قوم کو بتایا کہ مَیں کیوں نہ اُس ہستی کی عبادت کروں جس نے مجھے فطرت سلیم پر پیدا کیا اور مَر کر ہم نے اُسی خدا کی طرف واپس جانا ہے جس کی بندگی اختیار کرنے پر تمھیں اعتراض ہے۔ اِس آیت میں لفظ فَطَرَنِيْ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں ''فطرتِ سلیم پر پیدا کیا جانا''۔ حدیث میں آتا ہے کہ ہر انسانی بچہ ''فطرت'' پر پیدا ہوتا ہے اور وہ مسلمان ہوتا ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں حضورؐ نے فرمایا:

"ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اُس کے ماں باپ اُسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔" (صحیح مسلم)

"فطرۃ" عربی کا لفظ ہے۔ امام راغب اصفہانی "مفردات القرآن" میں اِس لفظ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"فطرۃ سے اُس معرفت الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو تخلیقی طور پر انسان کے اندر ودیعت کی گئی ہے لہٰذا فطرۃ اللہ سے مراد معرفت الٰہی کی استعداد ہے جو انسان کی جبلت میں پائی جاتی ہے۔"

اِس معنی کی تشریح میں امام راغب اصفہانی قرآن کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ۝ (سورہ الروم: آیت ۳۰)

(اور خدا کی فطرت کو جس پر لوگوں کو پیدا کیا اختیار کیے رہو۔)

انگریزی زبان میں لفظ "فطرۃ" کا متبادل لفظ Primordial Nature یا Aboriginal Nature ہے۔ عیسائیت کے عقیدے کے مطابق ہر انسان گناہ (Original Sin) کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ اِس کے برخلاف اسلام کے مطابق ہر بچہ فطرت سلیم کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور وہ بے گناہ ہوتا ہے۔ اُس کا دل دنیا کی نجاستوں اور گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ پھر ماحول (جس میں ماں باپ بھی شامل ہوتے ہیں) کے بُرے اثرات اُس پر پہلے اپنا رنگ اور پھر اپنا زنگ چڑھا دیتے ہیں اور بعض اوقات اُس کی فطرتِ سلیم کو تباہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔

أَأَتَّخِذُ مِن دُونِهِ آلِهَةً إِن يُرِدْنِ الرَّحْمَنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئاً وَلَا يُنقِذُونِ ٥ إِنِّي إِذاً لَّفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ٥ إِنِّي آمَنتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونِ ٥ قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ٥ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ٥

"کیا میں اُس کے سوا دوسروں کو معبود بنا لوں؟ حالانکہ اگر خدائے رحمٰن مجھے کوئی تکلیف پہنچانی چاہے تو نہ اِن کی سفارش میرے کچھ کام آئے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے۔

اگر میں ایسا کروں، تب تو میں واضح گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا۔

میں تمھارے رب پر ایمان لا چکا ہوں، تم بھی میری بات مان لو۔"

(آخر کار اُن لوگوں نے اُسے شہید کر دیا اور) اُس شخص کو بشارت ملی کہ "داخل ہو جا جنت میں" اُس (شہیدِ دعوۃ) نے کہا "کاش میری قوم کو معلوم ہوتا کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے باعزت لوگوں میں داخل فرما دیا۔"

آیات 23 سے 27 تک کی تفسیر:

پھر حبیب النجار نے اپنی قوم کو اللہ کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی اور انھیں احساس دلایا کہ جس رب پر میں ایمان لایا ہوں تمھارا رب بھی وہی ہے اسلئے اُس پر ایمان لے آؤ۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ بزرگ اتنا کہہ پائے تھے کہ تمام کفار اُن پر ٹوٹ پڑے اور زدوکوب کرنے لگے، کون تھا جو انھیں بچاتا؟ پتھر مارتے مارتے انھیں شہید کر دیا۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اُن کفار نے اُس مومنِ کامل کو بری طرح مارا پیٹا۔ اُس کو گرا کر اُس کے پیٹ پر چڑھ بیٹھے اور پیروں سے اُسے روندنے لگے۔ یہاں تک کہ اُس کی آنتیں اُس کے پیچھے کے راستے سے باہر نکل آئیں۔ اُس وقت اللہ کی طرف سے اُس کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی۔ اسے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے رنج و غم سے آزاد کر دیا اور امن و چین کے ساتھ جنت میں پہنچا دیا گیا۔ اور اُس کی شہادت سے اللہ خوش ہوا۔ جنت ان کے لیے کھول دی گئی اور داخلہ کی اجازت مل گئی۔ اپنے ثواب و اجر کو، عزت و اکرام کو دیکھ کر پھر اُس کی زبان سے نکل گیا۔ کاش کہ میری قوم یہ جان لیتی کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور میرا بڑا ہی اکرام کیا۔
(بحوالہ تفسیر ابن کثیر: جلد 4، ترجمہ: مولانا محمد جونا گڑھی۔ مطبوعہ لاہور، اسلامی کتب خانہ)

یعنی جوں ہی بستی کے لوگوں نے اس مردِ حق آگاہ کو قتل کیا تو فوراً اللہ تعالیٰ نے اُسے جنت میں داخل کر دیا۔

یہ واقعہ چونکہ اِس سورت کا دل ہے اسلئے اِس واقعہ پر ہم قدرے تفصیل کے ساتھ (in detail) سورت کے اختتام پر بحث کریں گے۔

وَمَا أَنزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ مِن بَعْدِهِ مِنْ جُندٍ مِّنَ
السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنزِلِينَ ۝ إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً
وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خَامِدُونَ ۝ يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا
يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُون ۝ أَلَمْ
يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنْ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لاَ
يَرْجِعُونَ ۝ وَإِن كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ۝

اور ہم نے اُس (شہید) کی قوم پر اُس کے بعد کوئی لشکر (فرشتوں کا) آسمان سے نہیں اُتارا اور نہ ہی ہم کو لشکر بھیجنے کی کوئی ضرورت تھی۔ وہ سزا بس ایک دھماکے کی سخت آواز تھی اور وہ سب اُسی وقت بجھ کر (یعنی مرکر) رہ گئے۔ افسوس ہے بندوں کے حال پر! جو رسول بھی اُن کے پاس آئے وہ اُن کا مذاق ہی اڑاتے رہے۔ کیا اُنھوں نے دیکھا نہیں کہ کتنی ہی قومیں اُن سے پہلے گزری ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ اب وہ اُن کے پاس واپس آنے والی نہیں۔ بے شک وہ سب ہمارے پاس حاضر کئے جائیں گے۔

آیات 28 سے 32 تک کی تفسیر:

جب قوم نے اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے رسولوں کی دعوت کو قبول نہ لیا اور اس کا عملی ثبوت حبیب النجار کو بے دردی سے شہید کر کے دے دیا تو وہی ہوا جو سُنتِ الٰہی ہمیشہ سے رہی ہے کہ جن قوموں پر رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے عذاب آتا ہے تو اُن کو مکمل طور پر نیست و نابود کر دیتا ہے۔ اُن کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔ یہی حال اس قوم کا ہوا کہ وہ تباہ کر دی گئی۔

پھر انسانوں کی عام نفسیات (Human psychology) بھی بتا دی کہ عام طور پر جب بھی لوگوں کے پاس کوئی رسول اللہ کا پیغام لیکر آیا تو انسانوں کی اکثریت نے اُس پر سنجیدگی سے غور و فکر نہیں کیا اور اُس کا مذاق ہی اڑایا۔ انسانوں کی اکثریت اپنی فطری کاہلی اور اپنی پرانی روایات کی تقلیدِ جامد کی وجہ سے چیزوں کو گہرائی میں دیکھنے کی عادی نہیں ہوتی۔ وہ ہر چیز کو بڑی سطحی نگاہ (Superficial look) سے دیکھتے ہیں اور حق یا باطل کا تجزیہ نہیں کرتے بلکہ شاعر کے بقول:

ے ہوا ہو جدھر کی اُدھر کو چلے ہم

اُن کے ذہن یہ سوال نہیں کرتے کہ آیا ان کے اردگرد جو کچھ ہو رہا ہے وہ حق ہے یا باطل، اُن کا طریقہ وہی ہوتا ہے جو انگلش کے مقولے میں بیان ہوا ہے:

Seeing is believing

یعنی ''جو کچھ دیکھا اُس پر ایمان لے آئے''۔

وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا
مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ o وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِن
نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ o لِيَأْكُلُوا
مِن ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ o

ان لوگوں کے لئے مردہ زمین میں نشانی ہے کہ اُس کو ہم نے زندہ کیا اور اُس سے غلے اُگائے، پس اُس میں سے وہ کھاتے ہیں۔

اور اُس میں ہم نے کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگائے اور اُس میں چشمے جاری کر دیئے کہ وہ اُس کا پھل کھائیں اور یہ سب کچھ اُن کے اپنے ہاتھوں کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے۔ پھر کیا یہ شکر ادا نہیں کرتے؟

آیات 33 سے 35 تک کی تفسیر:

یہاں سے اِس سورہ کا موضوع بدل کر اب اُس کشمکش کی طرف آتا ہے جو حضورؐ اور کفارِ مکہ کے درمیان اصل وجہ نزاع تھی یعنی توحید و آخرت۔ اُن آیات میں یکے بعد دیگرے کائنات سے سائنٹیفک دلائل دیئے گئے ہیں تا کہ قیامت تک آنے والے دھریے اور کفار اللہ تعالٰی کی کرشمہ سازیوں (scientific wonders) پر غور و فکر کریں اور اُس خدائے واحد

کی توحید پر ایمان لے آئیں۔

سب سے پہلے اللہ کی توحید کے ثبوت کے لیے زمینی نباتات کے اُگنے پر غور کی دعوت دی جارہی ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ ایک دانے کے اندر اتنی پروگرامنگ (Genetic information) ڈالتا ہے کہ اُس سے اناج، پھل اور طرح طرح کی نعمتیں پیدا ہوتی ہیں۔ خشک زمین جو بظاہر مردہ نظر آرہی ہوتی ہے جب وہ بارش کے پانی سے تر ہوتی ہے تو وہ مردہ زمین جی اُٹھتی ہے۔اُس پر سبزہ لہلہانے لگتا ہے اور طرح طرح کے پھل اور پھول نظر آنے لگتے ہیں۔ یہ سب کسی انسان کے حکم سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔

سُبۡحَانَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنۡبِتُ الۡاَرۡضُ وَمِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَمِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ o

پاک ہے وہ ذات جس نے زمین کی نباتات (Plant kingdom) میں اورخودانسان کی اپنی جنس (Human species) میں سے اور اُن اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں ہیں، دو دو اورمتقابل چیزیں (Pairs and opposites) پیدا کیں۔

آیت 36 کی تفسیر:

کائنات میں ہرچیز کا جوڑا (pair) ہونے کا قانون

یہ آیت اللہ تعالیٰ کی واحدنیت کے حق میں بہت بڑی دلیل ہے کہ اِس کائنات کی ہرچیز جوڑے کی صورت میں ہے اورصرف اللہ کی ذات اکیلی ہے جس کے ساتھ کسی کوشریک نہیں کیاجاسکتا کیونکہ قل ھو اللہ احد o (کہدوکہ اللہ یکتاہے)۔

مولاناابوالکلام آزادؔ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

’’کائنات میں وہ قانون بھی کارفرماہے جسے قرآن مجیدنے قانونِ تزویج (Law of pairs) سے تعبیر کیاہے۔ہم اِسے قانونِ تثنیہ بھی کہہ سکتے ہیں۔یعنی ہرچیز کے دو دو ہونے یا متقابل(Opposite)یا متماثل ہونے کا قانون۔ کائنات اورخلقت کا کوئی گوشہ بھی دیکھو تمھیں کوئی چیز یہاں اکہری اورطاق نظرنہیں آئے گی۔ہرچیز میں جفت(Even) اور دو دو

ہونے کی حقیقت کام کر رہی ہے۔ رات کے لیے دن ہے، صبح کے لیے شام ہے، نر کے لیے مادہ ہے، مرد کے لیے عورت ہے، زندگی کے لیے موت ہے۔"

(ترجمان القرآن، جلد سوم، صفحہ 250، مطبوعہ اسلامی اکادمی، لاہور)

جب ہم زمین سے نکلنے والی چیزوں (Plant Kingdom) پر غور کریں تو ہر چیز جوڑے جوڑے کی شکل میں ہے۔ تمام پھل دار اور پھول دار درختوں میں نر اور مادہ (Males and Females) ہوتے ہیں اور اُن میں توالد و تناسل (Reproduction and fertilization) بھی ہوتا ہے۔ انسانوں میں مرد اور عورت کا جوڑا بنایا گیا۔

باقی حیوانات (animal kingdom) میں بھی نر اور مادہ کے جوڑے موجود ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کے جوڑوں (Pairs) کا بھی ذکر کر دیا جن کے متعلق وقت کے ساتھ انسانیت کے علم میں اضافہ ہوگا۔ آج خوردبین (microscope) اور برقی خوردبین (Scanning electron microscope) کی مدد سے انسان کو پتہ چلا ہے کہ بیکٹیریا بھی دو متضاد اقسام کے ہوتے ہیں یعنی Gram positive Bacteria اور Gram Negative Bacteria یہی نہیں بلکہ بے جان مادوں تک میں جب مختلف اشیاء آپس میں مل کر جوڑا بناتی ہیں تو مختلف قسم کے مرکبات وجود میں آتے ہیں مثلاً پانی جو اس دنیا میں سب سے زیادہ کثرت سے پایا جاتا ہے وہ ہائیڈروجن کے مثبت چارج (Positive Radical) اور آکسیجن کے منفی چارج (Negative Radical) سے مل کر بنتا ہے۔ ایٹم بذاتِ خود الیکٹرون (Electron) اور پروٹان (Proton) سے مل کر بنتا ہے۔

اب چونکہ ہر چیز اپنے جوڑے سے مل کر اپنا مقصد پورا کرتی ہے اور لازمی ہے کہ اس دنیا کا بھی کوئی جوڑا ہوا۔ اِس دنیا کا متقابل جوڑا آخرت ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے یہ دنیا بے مقصد نہیں بنائی بلکہ آخرت کے لیے تیاری کرنے کے لیے بنائی ہے۔

وَ آيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ ○ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ○ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُونِ الْقَدِیْمِ ○ لَا الشَّمْسُ یَنْبَغِیْ لَهَا أَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَسْبَحُوْنَ ○

اور ایک نشانی اِن لوگوں کے لئے رات ہے کہ ہم اُس (رات) پر سے دن ہٹا دیتے ہیں تو اِن پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔

اور (ایک نشانی) سورج ہے جو اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے۔ یہ زبردست اور علم والے خدا کا باندھا ہوا حساب ہے۔

اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ اُن منزلوں سے گزرتے ہوئے وہ کھجور کی سوکھی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔

نہ سورج کے بس میں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات کے بس میں ہے کہ دن سے پہلے ظاہر ہو جائے اور سب (اجرام سماویہ)

یعنی (Planets and stars) اپنے اپنے دائرے (orbits) میں گردش کررہے ہیں۔

آیات 37 سے 40 تک کی تفسیر:

ہمارے نظامِ شمسی اوراس کائنات کے متعلق یہ آیات ایک عظیم سائنسی انکشاف اورقرآنی معجزہ ہیں۔ یہ آیاتِ اُس وقت نازل ہوئیں جب زمین کو چپٹا (Flat) سمجھاجاتا تھا اوریہ سمجھاجاتا تھا کہ سورج زمین کے گرد گھومتاہے۔تبھی دن اوررات آتے ہیں۔ یورپی سائنسدان کوپرنیکس نے سولھویں صدی عیسوی میں پہلی بار یہ ثابت کیا کہ یہ زمین بھی گردش کرتی ہے۔اُس کے بعد علم الفلکیات (Astronony) مسلسل ترقی کرتا رہا یہاں تک کہ 20اپریل 1990ء میں امریکہ نے ہبل خلائی دوربین (Hubble Space Telescope) کو زمین سے باہر کے مدار (Orbit) میں چھوڑا اُس کے بعد اِس کائنات کی وسعتوں اورستاروں اورسیاروں کی گردش کے متعلق حیرت انگیز سائنسی انکشافات ہونے شروع ہوئے۔ گوکہ زمین پرنصب ضخیم دوربینوں (VLT-Very Large Telescopes) سے بھی بہت گرانقدر معلومات حاصل ہوئی ہیں۔

زمین کی نباتات اور زمین کی گردش میں موجود گہرا تعلق

پچھلی آیات میں پہلے زمین کی نباتات(Plants) کاذکرہوا۔اب یہاں دن اور رات کے ہیرپھیر کا اور پھرسیاروں کی گردش کاذکر ہے۔سورج اورچاند کی گردش کادن اوررات سے گہراتعلق ہے جس کی وجہ سے موسموں کی تبدیلیاں ہوتی ہے اورنتیجتاً زمین کی نباتات (Plant life) متاثرہوتی ہے۔

آج سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ زمین اپنے محور پر بالکل سیدھی کھڑی نہیں ہے۔ زمین 23 درجہ کا زاویہ بناتی ہوئی فضا میں جھکی ہوئی ہے۔ یہ جھکاؤ ہمیں ہمارے موسم دیتا ہے۔اِس کے نتیجے میں زمین کا زیادہ سے زیادہ حصہ آبادکاری کے قابل ہوگیا ہے اور مختلف قسم کی نباتات اور پیداوار حاصل ہوتی ہیں۔ اگر زمین اِس طرح سے جھکی ہوئی نہ ہوتی تو قطبین پر ہمیشہ اندھیرا چھایا رہتا، سمندر کے بخارات شمال اور جنوب کی جانب سفر کرتے اور زمین پر یا تو برف کے ڈھیر ہوتے یا صحرائی میدان۔ اِس طرح کے اور بہت سے اثرات ہوتے جس کے نتیجے میں بغیر جھکی ہوئی زمین پر زندگی ناممکن ہوجاتی۔

زمین اپنے محور پر چوبیس گھنٹے میں ایک چکر پورا کر لیتی ہے۔ وہ اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی ہے۔فرض کریں کہ اُس کی رفتار دو سو میل فی گھنٹہ ہو جائے تو ایسی صورت میں ہمارے دن اور ہماری راتیں موجودہ اوقات کی نسبت سے دس گنا زیادہ لمبے ہوجائیں گے۔ گرمیوں کا سخت سورج اتنے لمبے دن کی وجہ سے تمام نباتات کو جلا دے گا اور جو بچے گا وہ لمبی رات کی ٹھنڈک میں پالے کی نذر ہوجائے گا۔ سورج جو اس وقت ہمارے لیے زندگی کا سرچشمہ ہے اُس کی سطح پر بارہ ہزار ڈگری فارن ہائٹ (12000 deg F) کا ٹمپریچر ہے،اور زمین سے اُس کا فاصلہ تقریباً نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے اور یہ فاصلہ حیرت انگیز طور پر مسلسل قائم ہے،یہ حقیقت ہمارے لیے نہایت اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اگر یہ فاصلہ کم کردیا جائے،مثلاً سورج نصف کے بقدر قریب آجائے تو زمین پر اتنی گرمی پیدا ہو کہ اُس گرمی سے کاغذ جلنے لگے اور اگر موجودہ فاصلہ دگنا کردیا جائے تو اتنی ٹھنڈک پیدا ہو کہ زندگی باقی نہ رہے اور دنیا کی تمام نباتات سردی سے مرجائیں۔یقیناً یہ ایک زبردست خدا کا باندھا ہوا حساب ہے۔

چاند کی حرکت اور منازل

پھر ان آیات میں چاند کا ذکر ہوا ہے۔ چاند زمین سے اوسطاً 240,000 میل دور ہے۔ اُس کا قطر (Diameter) 2163 میل ہے۔ یعنی زمین کے قطر کا ایک چوتھائی۔ زمین اپنے حجم کے لحاظ سے قریباً پچاس گنا بڑی ہے۔ رات کے وقت چاند اور ستاروں کی حرکت اور دن کے وقت سورج کی حرکت جو ہمیں نظر آتی ہے، یہ زمین کے مغرب سے مشرق کی طرف (Rotation) لٹو کی طرح گھومنے کی وجہ سے ہے۔ ہر رات چاند کے محل وقوع کا مشاہدہ کرنے سے نظر آتا ہے کہ یہ روزانہ مشرق کی طرف سرکتا ہے۔ چاند زمین کے گرد 1/3 27 دن میں چکر لگاتا ہے اِس حرکت کو (Revolution) کہتے ہیں اور چونکہ سورج بھی ستاروں کے جھرمٹ میں روزانہ مشرق کی طرف حرکت کرتا ہے۔ اس طرح چاند سورج کی نسبت روزانہ مشرق کی جانب 12 ڈگری زیادہ بڑھتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں چاند روزانہ 50 منٹ دیر سے نکلتا ہے۔

چاند کا ایک ہی چہرہ ہمیشہ زمین کی طرف رہتا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ چاند کی (Rotation) یا اپنے محور کے گرد گھومنا اور (Revolution) یعنی زمین کے گرد چکر لگانا ایک ہی وقت 1/3 27 دن میں پورے ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے بظاہر آگے پیچھے جھولنے (Oscillation) کی وجہ سے ہمیں پورا مہینہ اِس کی 6/10 سطح نظر آتی اور باقی 6/10 سطح زمین پر سے نظر نہیں آتی۔ چاند کی وہ سطح جو سورج کی طرف ہوتی ہے، ہمیشہ تیزی سے چمکتی ہے اور الٹی طرف کی سطح پر اندھیرا رہتا ہے اور جب چاند زمین کے گرد مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتا ہے تو اس کے سطح کے مختلف حصے مختلف اوقات میں روشن نظر آتے ہیں جن کو چاند کی منازل کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم انہی منازل کو اِن آیات میں بیان کرتا ہے:

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ o (یٰسٓ:39)

''اور چاند کو دیکھو کہ ہم نے اُس کی کتنی منزلیں مقرر کر دی ہیں اور وہ ایک ناخن کی طرح نمودار ہوتا ہے۔ بڑھتا بڑھتا مہء کامل (چودھویں کا چاند) بن جاتا ہے پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اور گھٹتے گھٹتے اِس طرح ہو جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی سوکھی ہوئی ٹہنی۔''

کائنات میں ایک زبردست حسابی نظام

اِس کائنات کے ہر سیارے کی حرکت میں ایک زبردست حساب (Exactness) پایا جاتا ہے۔ آئن سٹائن ایک عظیم سائنسدان اور ریاضی دان تھا۔ جب اُس نے اِس کائنات میں ہر جگہ زبردست حساب دیکھا تو وہ بول اٹھا:

"God does not play dice with the world." (1)

''خدا تعالیٰ اس دنیا کے معاملے میں بغیر حساب اور اندازے کے کام نہیں کرتا۔''

اور اسی حقیقت کو برطانوی سائنسدان پال ڈائرک (Paul Dirac) نے ان الفاظ میں تسلیم کیا تھا:

"God used beautiful mathematics in creating the world."

''خدا تعالیٰ نے اس دنیا کی تخلیق کرنے میں بہت خوبصورت حساب استعمال کیا ہے۔''

---

1) Hermanns, William (1983) Einstein and the poet: In Search of the Cosmic Man. New York, Branden Press

اسی طرح اطالوی سائنسدان گلیلیو (Galileo) اِس کائنات کا مشاہدہ کر کے اِس نتیجہ پر پہنچا:

"Math is the language God used to write the universe."

''حساب ہی وہ زبان ہے جو خدا نے اس کائنات کی تخلیق میں استعمال کی ہے۔''

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ تمام آسمانی کُرے ساکن نہیں ہیں بلکہ حرکت میں ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک، ایک مخصوص چکر کے اندر اپنے مرکزِ ثقل کے گرد گھوم رہا ہے۔ پھر نظامِ شمسی کی مثال سامنے رکھیئے۔ اُس کے تمام سیارے سورج کے گرد گھومتے ہیں۔ جس قدر کوئی سیارہ سورج سے زیادہ قریب ہے، اسی قدر اُس کی رفتار زیادہ تیز ہے۔ مثلاً عطارد (Mercury) جو سورج سے 36 ملین میل دور ہے، اسلئے وہ 30 میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سورج کے گرد گھومتا ہے اور 88 دن میں ایک چکر پورا کرتا ہے۔ زمین چونکہ سورج سے 92 ملین میل دور ہے، اسلئے وہ 18 میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سورج کے گرد گھومتی ہے اور ایک سال میں ایک چکر پورا کرتی ہے۔ پلوٹو (pluto) سورج سے 3666 ملین میل دور ہے، اسلئے 3 میل فی سیکنڈ کی رفتار سے گھومتا ہے اور 248 سال میں ایک چکر پورا کرتا ہے۔

قرآن کریم نے Orbit کو **فلک** کہا ہے۔ عام طور پر فلک سے مراد آسمان لیا جاتا ہے حالانکہ قرآن کریم نے 1400 سال پیشتر اجرامِ فلکی (planets & stars) کی طرف اشارہ کر کے اس کی وضاحت کر دی تھی۔

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ٥ (سورۃ الانبیاء :33)

”وُہی تو ہے جس نے رات اور دن، سورج اور چاند کو بنایا، تمام آسمانی کُرے اپنے اپنے فلک (orbit) کے اندر تیزی سے تیر رہے ہیں۔“

اِس آیت میں لفظ یَسْبَحُوْن قابلِ ذکر ہے۔ اِس کا مادہ ہے سَ بَ ح جس کے معنی تیزی سے حرکت کرنا ہیں۔ ایسی حرکت جو خود حرکت کرنے والی شے کے اندر سے پیدا ہو۔
اِن افلاک (orbits) کا محلِ وقوع ایسا ہے اور ان کے اندر ستاروں اور سیاروں کی حرکت کے اوقات اس قدر صحیح ہیں کہ اِن میں سے کوئی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ٹکراتا۔ چنانچہ کہا گیا۔

لَا الشَّمْسُ يَنبَغِيْ لَهَا اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ
وَکُلٌّ فِيْ فَلَکٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ (یٰس)

یعنی یہ تمام عظیم الجثہ کُرے (gigantic heavenly bodies) اپنی اپنی جگہ ساکن نہیں کھڑے بلکہ مسلسل حرکت کر رہے ہیں۔ لیکن اُن کی حرکت اِس طرح حساب اور قاعدے کے مطابق ہوتی ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ سورج اپنی رفتار کو تیز کر کے چاند کو جا پکڑے۔ یا کبھی ایسا ہو کہ جس نقطہ سے رات کا اختتام اور دن کا آغاز ہوتا ہے، رات وہاں سے آگے بڑھ جائے (یعنی سورج اپنے معینہ وقت کے بعد طلوع ہو) ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ اِن میں سے ہر ایک کُرہ اپنے اپنے فلک کے اندر تیرتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ اربہا ارب اجرام فلکی اپنے اپنے دائروں میں بغیر ایک دوسرے سے ٹکرائے مسلسل حرکت کر رہے ہیں جبکہ زمین سے اوپر کی فضا کتنی وسیع ہے لیکن پھر بھی انسانوں کے بنائے ہوئے ہوائی جہاز بعض اوقات Midair collision میں آپس میں ٹکرا جاتے ہیں۔

ہوائی حادثوں(Mid-air collisions)کے واقعات میں پوشیدہ سبق

علم الفلکیات(Astronomy)کے مطالعے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ دنیا کے تمام سمندروں کے کنارے ریت کے جتنے ذرے پائے جاتے ہیں شاید اُسی قدر آسمان میں ستاروں کی تعداد ہے۔اُن میں سے کچھ ستارے ایسے ہیں جو زمین سے کسی قدر بڑے ہیں مگر بیشتر ستارے اتنے بڑے ہیں کہ ان کے اندر لاکھوں زمینیں رکھی جا سکتی ہیں اور بعض ستارے تو اس قدر بڑے ہیں کہ اربوں زمینیں اُن کے اندر سما سکتی ہیں۔اگر زمین کا اُن میں سے کسی ستارے سے ٹکراؤ ہو جائے تو اُس ستارے کو شاید اس کی خبر تک نہ ہو کہ اُس کی سطح پر ایک ذرہ گرا ہے۔

ہمارے نظامِ شمسی(Solar system)کا سورج اپنی جگہ رکا ہوا نہیں بلکہ اپنے تمام سیاروں اور سیاروں کو لیے ہوئے ایک عظیم کہکشانی نظام کے اندر چھ لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گردش کر رہا ہے۔

علمائے فلکیات کے اندازے کے مطابق یہ کائنات پانچ سو ملین کہکشانوں (galaxies)پر مشتمل ہے اور ہر کہکشاں میں تقریباً ایک لاکھ ملین ستارے پائے جاتے ہیں اور یہ سب اربوں کھربوں ستارے اِس نظم وضبط کے ساتھ اور حیرت ناک تیزی کے ساتھ حرکت کرتے ہیں کہ نہ اُن میں باہم کوئی ٹکراؤ ہوتا ہے اور نہ رفتار میں کوئی فرق پڑتا ہے۔اکثر خلائی گردش کے دوران ایک پورا کہکشانی نظام جو اربوں متحرک ستاروں پر مشتمل ہوتا ہے، دوسرے کہکشانی نظام میں حرکت کرتا ہوا داخل ہوتا ہے اور پھر اُس سے نکل جاتا ہے مگر باہم کسی قسم کا ٹکراؤ(collision)نہیں ہوتا۔

دھریے لوگ بڑی آسانی سے خدا کے وجود کا انکار کر دیتے ہیں بلکہ روشن خیالوں کے

حلقے میں تو اب "Athiest" (دہریہ) ہونا ایک قسم کا فیشن بن چکا ہے لیکن وہ ذرا انسانوں کے بنائے ہوئے نظام پر غور کریں۔ ہماری اِس زمین پر ہر لمحے ٹریفک کے حادثات میں سڑک پر چلتی ہوئی گاڑیاں آپس میں ٹکرا جاتی ہیں، ٹرینیں (railways) آپس میں ٹکرا جاتی ہیں جن میں سینکڑوں لوگ مر جاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ زمین سے اوپر کی فضا تو بہت وسیع ہے لیکن وہاں پر بھی انسانوں کے بنائے ہوئے ہوائی جہاز بعض اوقات Midair collision میں آپس میں ٹکرا جاتے ہیں جن کی چند مثالیں یہاں پیش کی جاتی ہیں:

1۔ 16 دسمبر، 1960ء میں امریکہ کے طیارے United Air Lines DC-8 اور لاک ہیڈ کے جہاز (Lockheed Constellation) نیویارک شہر کی فضا پر آپس میں ٹکرا گئے۔ DC 8 میں موجود 83 افراد سب جاں بحق ہوئے جبکہ Constallation میں سوار 50 افراد ہلاک ہوگئے۔

2۔ 19 جولائی 1967ء میں امریکہ ریاست نارتھ کیرو لائنا کے شہر ایش ول (Asherville) کے ایئر پورٹ سے مسافر طیارہ Piedmont 727 اُڑ کر فضا میں بلند ہوا ہی تھا کہ ایئر پورٹ سے 13 کلومیٹر دور جا کر اُس جہاز کی ٹکر (Collision) ایک فوکر طیارے Cessna 310 سے ہوگئی۔ Piedmont 727 میں موجود 79 افراد تمام کے تمام ہلاک ہوگئے جبکہ Cessna 310 میں سوار تینوں افراد بھی جل کر راکھ ہوگئے۔

3۔ 10 ستمبر 1976ء کو یوگوسلاویہ کے شہر زگریب (Zegrab) کے قریب ہی فضا میں Inex Adria DC-9 کی برطانوی ایئر لائن British Airways Trident 3B سے ہوا میں ٹکر ہوئی جس کے نتیجے میں DC-9 پر موجود 108 مسافر اور 5 طیارے کے عملے کے افراد (crew members) تمام کے تمام جاں بحق ہوگئے اور دوسری طرف British Airways پر سوار 63 افراد سب کے سب ہلاک ہوگئے جبکہ

طیارے کے ملبے کے گرنے سے زمین پر موجود ایک شخص بھی مر گیا۔

4۔ 23 ستمبر 1978ء کو امریکی ریاست کیلیفورنیا کے شہر سان ڈیاگو(San Diego) کی فضاؤں میں خلائی حادثے میں Pacific South West 727طیارے اور چھوٹے طیارے Cessna میں باہم ٹکراؤ ہوا جس میں نہ صرف دونوں جہازوں کے 135 افراد ہلاک ہوئے بلکہ جہازوں کا ملبہ گرنے کی وجہ سے زمین پر 7 افراد بھی جل کر مر گئے۔

5۔ 12 نومبر 1996ء میں نئی دہلی سے سعودی ایئر لائن کا جہاز Saudi Airways 747 سے سعودی عرب کی طرف اڑا۔ ابھی وہ نئی دہلی سے 96 کلو میٹر دور اڑا تھا کہ اُس کی ٹکر(Heads-on Collision) قازاقستان سے دہلی کی طرف آنے والے جہاز(Kazakhstan Air Lines Ilyushin 76) سے ہوگئی۔ سعودی ایئر لائن پر سوار 312 افراد تمام کے تمام جاں بحق ہو گئے جبکہ Ilyushim 76 پر سوار 37 افراد سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ اس حادثے میں کل 349افراد ھلاک ہوئے۔ جب اس حادثے کی تحقیقات کی گئی اور دونوں جہازوں کے بلیک باکس (black box) انگلینڈ بھجوائے گئے تو پتہ چلا کہ نئی دہلی کے ہوائی ٹریفک کنٹرولر(Air traffic controllor) مسٹرا ے کے دتّا نے جب سعودی پائلٹ کو ھدایت کی وہ 14,000 فٹ کی بلندی کو برقرار رکھے تو اُس نے تو اُن ھدایت پر عمل کیا لیکن جب قزاقستان کے پائیلٹوں کو 15,000 فٹ کی بلندی پر رہنے کا مشورہ دیا تو انھوں نے ھدایات کو سمجھنے میں غفلت سے کام لیا اور وہ بھی 14,000 فٹ کی بلندی پر آ گئے جس کے نتیجے میں دونوں جہاز آپس میں ٹکرا گئے۔ بلیک باکس میں سعودی پائلٹ کے جو آخری الفاظ ریکارڈ کیے گئے وہ یہ تھے:

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ

یہ حقیقت ہے کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود اس کائنات میں نہیں جیسا کہ قرآن میں

بیان ہوا ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ○ (سورۃ الانبیاء: 22)

"اگر آسمان و زمین میں ایک اللہ کے سوا دُوسرے خدا بھی ہوتے تو (زمین اور آسمان) دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔ پس پاک ہے اللہ ربُّ العرش اُن باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔"

انسان جب اِس زمین کے اوپر واقع فضا میں ہوائی جہاز اُڑاتے ہیں تو ائیر پورٹ پر کام کرنے والے ہوائی ٹریفک کنٹرولرز کا عملہ اعلیٰ قسم کے ریڈار، ہوائی جہازوں میں نصب جدید ترین کمپیوٹر سسٹم، اُنھیں اُڑانے والے برسوں کے تجربہ کار پائلٹ حضرات، اُن تمام انتظامات کے باوجود ہوا میں اڑنے والے جہاز آپس میں (Midair Collision) میں ٹکرا جاتے ہیں لیکن اِس کائنات میں موجود اربوں کھربوں (billions) ستارے کبھی آپس میں ٹکراتے نہیں اور کائنات کا یہ نظام لاکھوں برس سے چل رہا ہے۔ اِس حیرت انگیز تنظیم (orgnization) کو دیکھ کر عقل کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ کائنات کا نظام اپنے آپ نہیں قائم ہے بلکہ ایک غیر معمولی ہستی ہے جس نے اس نظام کو قائم کر رکھا ہے۔

یہ تمام حقائق ہمیں اس بات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ اس کائنات کی ہر شے کی باگ دوڑ ایک ہی خدا کے ہاتھ میں ہے ورنہ یہ تمام میزان (Fine balance) جو اِس پوری کائنات میں نظر آ رہا ہے وہ تہس نہس ہو جاتا۔

وَ آيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ o وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ o وَإِن نَّشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنقَذُونَ o إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعاً إِلَى حِينٍ o

---

اور اُن کے لیے ایک بہت بڑی نشانی یہ ہے کہ ہم نے اُن کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا اور ان کے لئے اُسی کی مانند (خشکی میں بھی) چیزیں پیدا کیں (مثلاً ہوائی جہاز فضا میں تیرتے ہیں) جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کردیں، پھر کوئی اُن کی فریاد سننے والا نہ ہو اور نہ ان کو نجات مل سکے۔ بس یہ تمہاری ہی مہربانی ہے جو اُنھیں پار لگاتی ہے اور ایک وقتِ خاص تک زندگی سے فائدہ اٹھا دیتی ہے۔

آیات 41 سے 44 تک کی تفسیر:

اِن آیات میں بھری ہوئی کشتی سے مراد حضرت نوحؑ کی کشتی ہے جس پر حضرت نوحؑ اور مٹھی بھر مومنین کی جماعت سوار ہوئی تھی جبکہ دنیا پر موجود تمام کفار غرق کردیئے گئے۔ اِن آیات کی تفسیر میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

''اِس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ تاریخ میں پہلی کشتی جو بنی وہ حضرت نوحؑ والی کشتی تھی۔ اُس سے پہلے انسان کو دریاؤں اور سمندروں کے عبور کرنے کا کوئی طریقہ معلوم نہ تھا۔ اِس طریقے کی تعلیم سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو دی اور جب اُن کی بنائی ہوئی کشتی پر سوار ہوکر اللہ کے کچھ بندے طوفان سے بچ نکلے تو آئندہ اُن کی نسل نے بحری سفروں کیلئے کشتیاں بنانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔'' (تفہیم القرآن۔جلد۴،صفحہ۲۶۲)

پھر اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو اپنا احسان یاد دلایا ہے کہ اُسی نے انسان کو فطری طاقتوں پر تصرف کے اختیارات عطا کیے ہیں۔ مزید برآں، جن قوتوں پر اللہ نے انسان کو کنٹرول عطا فرمایا ہے اُن پر انسان کا کنٹرول صرف اسی وقت تک چلتا ہے جب تک اللہ کی یہ مرضی ہوتی ہے کہ وہ اُس کے لیے مسخر رہیں وگرنہ جب اللہ کی مرضی کچھ اور ہو تو وہی طاقتیں جو انسان کی خدمت میں لگی ہوتی ہیں، اچانک اُس پر اُلٹ پڑتی ہیں اور آدمی اپنے آپ کو اُن کے سامنے بالکل بے بس پاتا ہے۔ جب خدا کا حکم ہوتا ہے تو برطانوی بحری جہاز Titanic اپریل 1912ء میں صرف برف کے تودے سے ٹکرا کر ڈوب جاتا ہے حالانکہ برف کا تودہ (iceberg) حقیقت میں پانی ہی تو ہے جب کہ Titanic لوہے کا بنا ہوا تھا دنیا کا اُس وقت کا سب سے بڑا بحری جہاز تھا اور وہ ناقابلِ غرق (Unsinkable ship) کہلاتا تھا۔ Titanic اپنے ساتھ 1,517 انسانوں کو لے ڈوبتا ہے جن میں اُس وقت دنیا کے چند امیر ترین اشخاص بھی سوار تھے۔ اسی طرح سمندر کا پانی اپنی حدود میں رہتا ہے لیکن جب اللہ کا حکم ہو تو وہ سونامی (Tsunami) کی صورت میں پورے پورے شہروں کو تباہ کر دیتا ہے جب اس کی وجہ سے سمندر کی لہریں کئی میٹر بلند ہو جاتی ہیں۔ 2004ء کے Indian Ocean Tsunami نے بحرِ ہند پر واقع 14 ممالک کو متاثر کیا اور دو لاکھ تیس ہزار (230,000) انسان اُس کی وجہ سے پانی میں ڈوب کر مر گئے۔ چنانچہ یہ سب اللہ کی مہربانی ہے کہ فطرت کی طاقتیں عام حالات میں انسان پر اُلٹ نہیں پڑتیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ٥ وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ
رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ٥ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ
أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ
آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي
ضَلَالٍ مُّبِينٍ ٥

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم اُس عذاب سے بچو جو تمھارے سامنے ہے اور جو تمھارے پیچھے ہے (یعنی پہلی قوموں پر گزر چکا ہے) تاکہ تم پر رحم کیا جائے (تو یہ سنی اَن سنی کر جاتے ہیں) اور اُن کے پاس اُن کے رب کی نشانیوں میں سے جو نشانی بھی آتی ہے وہ اُس سے اعراض ہی کرنے والے بنے رہتے ہیں۔

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ "اللہ نے جو مال تمھیں عطا کیا ہے اُس میں کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو!" تو یہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ہے ایمان لانے والوں کو جواب دیتے ہیں: "کیا ہم اُن لوگوں

کو کھانا کھلائیں جن کو اگر اللہ چاہتا تو خود کھانے کو دیتا؟ تم تو بالکل ہی بہک گئے ہو۔"

آیات 45 سے 47 تک کی تفسیر:

غریبوں کا خون چُوسنے والا سودی نظام

اِن آیات میں کفار کی ہٹ دھرمی کا بیان ہے کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اس انجام سے بچو جس سے تمہارے سے پہلی قومیں دوچار ہوئیں اور اگر تم نے نصیحت پر عمل نہ کیا تو تم بھی اسی کا شکار ہو جاؤ گے تو وہ اُس بات پر کان نہیں دھرتے۔ دراصل یہ انسانوں کی نیچر ہے کہ وہ اپنے ماضی سے سیکھتے نہیں۔ ہسپانوی نژاد امریکن فلسفی جارج سنتایانا (George Santayana) نے کہا تھا:

"Those who can not remember the past are condemned to repeat it." (The life of Reason, Vol. 1)

"جو ماضی سے سبق نہیں لیتے اُن پر (بطورِ سزا) ماضی دھرایا جاتا ہے۔"

لیکن افسوس کہ انسانوں کی اکثریت ایسی ہوتی ہے جو ماضی کی اقوام کے حالات سے بالکل سبق نہیں لیتے۔ اُسکے بعد قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ کفار کی نفسیات کچھ اس طرح کی واقع ہوتی ہے کہ ان کی اخلاقی حس بالکل مری ہوئی ہوتی ہے۔ جب اُن سے اللہ کے راستے میں رزق خرچ کرنے کو کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اگر خدا نے اُن غریب لوگوں کو رزق دینا ہوتا تو وہ انھیں غریب ہی کیوں پیدا کرتا۔ دراصل کفار یہ بات اسلیئے کہتے ہیں کہ ان کے دل میں چور رہتا ہے۔ دراصل کفار تو اپنے سودی نظام (banking interest) کی وجہ سے غریبوں کو غریب ہی رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ اُن کا اصل محرک (Hidden motive) ہے۔ آج کفار تیسری دنیا کے مما لک

(Third world countries) کو جس طرح قرضوں میں جکڑتے ہیں وہ اِس بات کا واضح ثبوت ہے۔ IMF جو دراصل دجال کے ایجنٹوں کا ادارہ ہے اور ورلڈ بینک (World bank) دراصل (Dajjali bank) ہے۔ اِن کا مقصد غریب ممالک (جن میں اکثریت مسلم ممالک کی ہے) کو مجبور کر کے سخت سے سخت شرائط پر قرضے دینا اور پھر اُن سے اپنی مرضی کے مطابق چاکری کروانا ہے۔ امریکی نژاد فرانسیسی پولیٹیکل اور سوشل سائنسدان خاتون سوزن جارج (Susan George) اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''A Fate Worse than Debt'' میں رقمطراز ہیں کہ مغرب اور اُس کے بینکوں کا مقصد دنیا میں جمہوریت کا قیام نہیں ہے اور مسلسل قرضوں کی وجہ سے دنیا میں ظالم تر حکومتیں آرہی ہیں ۔ غریب ممالک کی حکومتیں زیادہ سے زیادہ سختی کر کے عوام کا خون چوستی ہیں تا کہ انٹرنیشنل قرضوں کی ادائیگی ہو سکے۔ Susan George مزید لکھتی ہیں:

"The IMF and its flying squads are actually the messengers, the executive agents, the watch dogs and gendarmes for those who hold financial power in this world; the IMF helps them consolidate their power over the poor and indebted nations by making countries offers they can not refuse. The IMF acts as a channel to funnel public money to private banks" (1)

''IMF اور اُسکے ہوائی سکواڈ اصل میں اِس دنیا میں معاشی طاقت رکھنے والوں کے لئے قاصد، مختارِکل ایجنٹ، نگران اور سپاہیوں کا کام کرتے ہیں۔ IMF غریب اور مقروض اقوام کو ایسے قرضوں کی پیشکش کر کے جن کا انکار مشکل ہوتا ہے، حقیقت میں سرمایہ دار اقوام اور

1) George, Susan (1998) A Fate Worse than Debt: The World Financial Crisis and the Poor. New York, Grove press.

بینکوں کی طاقت کو مستحکم کرتا ہے۔ IMF درحقیقت عوام کے پیسے کو پرائیویٹ بینکوں میں پہنچانے کے لیے راستہ مہیا کرتا ہے۔"

سوزن جارج کے مطابق قرضوں کی وجہ سے بحران (debt-crisis) کے نتیجے میں غریب ممالک میں کسان کی کوئی حیثیت نہیں رہتی ۔غربت انتہائی حد تک بڑھ جاتی ہے اور کروڑوں لوگ بھوک کا شکار ہو جاتے ہیں ۔ UNICEF کے اعداد و شمار کے مطابق جب مقروض غریب ممالک قرضوں پر سود (interest) اور پھر اُس سود پر مزید سود IMF کو ادا کرتے ہیں تو اُس کے نتیجے میں ملک میں بھوک اور ادویات نہ ہونے کی وجہ سے ہر سال پانچ لاکھ (500,000) بچے موت کا شکار ہوتے ہیں ۔

یہ سب کچھ کرنے والے کفار اور دجال کے اسٹیٹ قرآن کے مطابق یہ جاہلانہ فلسفہ پیش کرتے ہیں کہ اگر اُن غریبوں کو اللہ کھلانا پلانا چاہتا تو آخر اُس کے پاس کس چیز کی کمی تھی ۔ حقیقت میں یہ کفار صرف غریبوں کا خون چوسنا چاہتے ہیں۔ پھر اُس پر مستزاد مسلمان ممالک کے منافق حکمران IMF سے ملنے والے سودی قرضے کو غریب عوام پر خرچ کرنے کی بجائے سیدھے سوئٹزرلینڈ میں اپنے ذاتی بینک میں ٹرانسفر کر دیتے ہیں ۔اِن حکمرانوں کی روش بالکل مصر کے قدیم فرعون حکمرانوں جیسی ہے کہ جب اُن میں سے کوئی فرعون مرتا تھا تو اُس کی وصیت ہوتی تھی کہ اُس کا عالیشان مقبرہ (pyramid) بنایا جائے اور پھر اُس کی لاش کو ہیرے جواہرات کے ساتھ دفنایا جائے تا کہ اگلی زندگی میں وہ اُن ہیرے جواہرات سے فائدہ اٹھا سکیں ۔ شاید مسلمان ممالک کے سیاستدان اور حکمران بھی فرعونِ مصر کی طرح سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں اپنا پیسہ اسی لئے جمع کرواتے ہیں تا کہ اگلی زندگی میں وہ مسلمان ملک کے عوام کے چوسے ہوئے پیسے سے لطف اٹھا سکیں !!

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ o
مَا يَنظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ
يَخِصِّمُونَ o فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَى أَهْلِهِمْ
يَرْجِعُونَ o وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ
إِلَى رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ o قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن
مَّرْقَدِنَا هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ o
إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا
مُحْضَرُونَ o فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئاً وَلَا
تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ o

اور یہ لوگ کہتے ہیں: ''اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ یہ قیامت کی دھمکی آخر کب پوری ہوگی؟''

دراصل یہ لوگ صرف ایک ہولناک دھماکے کا انتظار کر رہے ہیں جو اُن کو عین اُس وقت آ پکڑے گا جب یہ لوگ (اپنے دنیوی معاملات میں) جھگڑ رہے ہوں گے۔ پس اُس وقت نہ وصیت ہی

کر سکیں گے اور نہ اپنے گھروں کو پلٹ سکیں گے۔

پھر ایک صور پھونکا جائیگا تو یکا یک یہ قبروں سے نکل کر اپنے رب کے حضور میں پیش ہونے کے لیے چل پڑیں گے۔ وہ گھبرا کر بولیں گے: "ہائے ہماری کم بختی! یہ کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اُٹھا کھڑا کیا؟ یہ تو وہی چیز (قیامت) ہے جس کا خدائے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں کی بات سچ نکلی۔"

پس وہ ایک زور کی آواز ہوگی جس سے یکا یک وہ ہمارے سامنے حاضر کردیئے جائیں گے۔ اُس روز کسی جان پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا اور تم کو بس اُنہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو (دنیا میں) تم کیا کرتے تھے۔

آیات 48 سے 54 تک کی تفسیر:

اِن آیات سے اب سلسلۂ کلام آخرت پر مرکوز ہو رہا ہے کیونکہ حضورؐ اور کفار کے درمیان توحید کے بعد جس مسئلے پر نزاع تھا وہ آخرت کا مسئلہ تھا۔ کفارِ قریش اِس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے کہ ایک دن ہم نے مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جانا ہے۔ وہ رسول کریم کو چیلنج کیا کرتے تھے کہ آپ کی قیامت کی وہ دھمکی آخر کب پوری ہوگی۔ اس لیے اِن آیات میں قیامت کی فوری آمد (sudden arrival) کی منظر کشی کی گئی ہے۔ دنیا کے لوگ روز مرہ کی طرح اپنے اپنے کام کاج میں مصروف ہوں گے کہ اچانک اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو

صور پھونکنے کا حکم دے گا۔ یہ نفخہ (صور کی پھونک) ایسا ہوگا کہ اِس کائنات کی تمام مخلوقات اِسے سُن کر وہیں کی وہیں رہ جائیں گی۔ صرف رسول، انبیاء اور شہداء کو اللہ تعالی اس چیخ کے خوف سے محفوظ رکھے گا، کیونکہ شہداء اللہ کے ہاں زندہ ہیں اور رسولوں اور انبیاء کا مقام سب سے بلند ہے۔ اللہ تعالی قرآن میں دوسری جگہ فرماتا ہے:

''اور کیا گزرے کی اُس روز جب کہ صور پھونکا جائے گا اور ہول کھا جائیں گے وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ اُس ہول سے بچا لے گا، اور سب کان دبائے اس کے حضور حاضر ہو جائیں گے۔'' (سورہ النمل:87)

یہ وہی نفخہ ہے جس کی وجہ سے پوری کائنات بری طرح حرکت کرنے لگے گی اور ایک زبردست زلزلہ آئے گا۔ زمین لرز جائے گی، اس کو جھٹکے لگیں گے، پہاڑ گر کر زمین کے ساتھ برابر ہو جائیں گے اور وہ ریزہ ریزہ ہو کر ذروں کی مانند بکھر جائیں گے۔ سمندر پھٹ کر ایک دوسرے میں گھر جائیں گے اور بھڑکتی ہوئی آگ میں تبدیل ہو جائیں گے۔ آسمان میں ایک بہت بڑا شگاف پڑ جائے گا جس کی وجہ سے اس کی جاذبیت (Gravitation) جاتی رہے گی۔ سیارے غبار آلود ہو جائیں گے۔ سورج اور چاند کو جمع کر کے پھینک دیا جائے گا۔ ہر ایک کی روشنی جاتی رہے گی۔ ہر چیز فنا ہو جائے گی۔

جب سورج کی روشنی بُجھ جائے گی تو وہ Black hole phenomenon کی وجہ سے زمین اور چاند کو اپنے اندر ہضم کر لیگا۔ سمندروں میں موجود پانی کے دونوں اجزاء یعنی آکسیجن اور ہائیڈروجن جب اللہ کے حکم سے علیحدہ ہوں گے تو ہائیڈروجن کو آگ لگ جائیگی اور آکسیجن اُس آگ کو مزید بھڑکا دیگی اور پورے کے پورے سمندر نذر آتش ہو جائینگے۔ چنانچہ سورہ الحج میں اللہ تعالی کا فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ o يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ

سُکَارٰی وَمَا هُم بِسُکَارٰی وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللهِ شَدِیْدٌ ٥ (سورہ الحج: 2 ۔ 1)

’’لوگو! اپنے رب کے غضب سے بچو۔ حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی ہی ہولناک چیز ہے۔ جس روز تم اُسے دیکھو گے حال یہ ہوگا کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور لوگ تم کو مدہوش نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے۔ بلکہ اللہ کا عذاب ہی کچھ ایسا سخت ہوگا۔‘‘

قیامت آنے سے پہلے لوگ اپنے روزمرہ کے معمولات میں مشغول ہونگے۔ بازاروں میں خرید و فروخت کر رہے ہونگے۔ اپنی مجلسوں میں بیٹھے دنیا کی رنگینیوں کی متعلق گفتگو کر رہے ہونگے کہ ایسے میں یکا یک قیامت برپا ہو جائیگی جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

’’قیامت اُس وقت آئے گی جب دو آدمیوں نے اپنا کپڑا بچھا رکھا ہوگا۔ نہ اُن کو باہمی خرید و فروخت کو ختم کرنے کی مہلت ملے گی اور نہ کپڑا لپیٹنے کی اجازت۔ قیامت اُس وقت آئے گی جب اونٹنی کا دودھ لے جانے والے کو پینے کی بھی مہلت نہیں ملے گی۔ قیامت اُس وقت آئے گی جب آدمی پانی کا حوض تیار کرے گا مگر اسے جانوروں کو پانی پلانے کی مہلت نہ ملے گی۔ اور قیامت اُس وقت آئے گی جب کسی نے اپنا لقمہ منہ تک اٹھایا ہوگا اور اسے اتنی مہلت نہ ملے گی کہ وہ اس کو منہ میں ڈال لے۔‘‘

(بخاری و مسلم عن ابی ھریرہ)

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ٥ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُونَ ٥ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُم مَّا يَدَّعُونَ ٥ سَلَامٌ قَوْلًا مِن رَّبٍّ رَّحِيمٍ ٥

بے شک جنتی لوگ اُس روز مزے کرنے میں مشغول ہوں گے۔ وہ اور اُن کی بیویاں گھنے سایوں میں مسندوں پر تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے۔ اُن کے لئے جنت میں ہر قسم کی لذیذ چیزیں کھانے پینے کو موجود ہوں گی اور جو کچھ وہ مانگیں گے اُن کو ملے گا۔ ربِ رحیم کی طرف سے اُن کو سلام کہا جائے گا۔

آیات 55 سے 58 تک کی تفسیر:

جنتی لوگوں کو میدان قیامت میں زیادہ دیر روکا نہیں جائیگا بلکہ اُن کو آسان حساب کر کے جنتوں میں انتہائی اعزاز اور تکریم کے ساتھ داخل کر دیا جائیگا اور وہ لوگ وہاں کی بے شمار اور دل لبھا دینے والی نعمتوں میں وہ اِس طرح مشغول ہوں گے کہ انھیں جہنم والوں کی کچھ پراوہ نہ ہوگی چاہے ان کے رشتہ دار ہی جہنم میں کیوں نہ ہوں۔ جنتی لوگ پھل دار درختوں کے ٹھنڈے اور گھنے سایوں میں اپنی بیوی کی معیت میں آرام سے تختوں سے تکیہ لگائے طرح طرح کے کھانے اور پھل کھا رہے ہوں گے اور جس چیز کا جی چاہے گا اُن کی خواہش پوری کی جائیگی۔

جنت کی زندگی کی منظر کشی ایک حدیث میں اِن الفاظ میں کی گئی ہے جو امام ترمذی نے روایت کی ہے:

عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ زُمْرَةٍ تَلِجُ الْجَنَّةَ صُورَتُهُمْ عَلٰى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَايَبْصُقُونَ فِيهَا وَلَا يَمْتَخِطُونَ وَلَا يَتَغَوَّطُونَ اٰنِيَتُهُمْ فِيهَا الذَّهَبُ وَاَمْشَاطُهُمْ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَمَجَامِرُهُمْ مِنَ الْاُلُوَّةِ وَرَشْحُهُمْ الْمِسْكُ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ يُرٰى مُخُّ سُوقِهِمَا مِنْ وَرَاءِ اللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ لَااِخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَاتَبَاغُضَ قُلُوبُهُمْ قَلْبُ رَجُلٍ وَاحِدٍ يُسَبِّحُونَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَعَشِيًّا . قَالَ اَبُوعِيسٰى هٰذَاحَدِيثٌ صَحِيحٌ "(ترمذی) (1)

ہمام بن منبہ، حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جنت میں داخل ہونے والے گروہ کے چہرے چودھویں کے چاند کی مانند ہوں گے۔ وہ لوگ نہ تھوکیں گے نہ ناک سینکیں گے اور نہ ہی انہیں حاجت کا تقاضا ہوگا۔ اُن کے برتن سونے کے ہوں گے اور کنگھیاں سونے چاندی کی جبکہ انگیٹھیاں عود سے ہوگا۔ اُن کا پسینہ مشک ہوگا، اور پھر ہر شخص کے لیے دو بیویاں ہوں گی جو اتنی حسین ہوں گی ان کی پنڈلیوں کا گودا تک گوشت کے اوپر سے نظر آئے گا، اُن کے درمیان نہ کوئی اختلاف ہوگا اور نہ اُن کے دلوں میں بغض۔ نیز اُن کے دل ایک شخص کے دل کی طرح ہوں گے جو صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے رہیں گے۔"

---

1) ترمذی، جلد2، حدیث نمبر 428 . امام ترمذی کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار اور بازاروں میں خریداری کو نہایت خوبصورت الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت سعید بن مسیّب ♍ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ ♍ سے ملاقات کی۔ حضرت ابو ہریرہ ♍ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہم دونوں کو جنت کے بازار میں اکٹھا کرے۔ حضرت سعید بن مسیّب نے پوچھا کیا جنتی اُس میں بازار ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہ ♍ نے فرمایا ہاں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ جنتی جب بازاروں میں داخل ہوں گے تو اپنے اعمال کی فضیلت کے مطابق اُس میں اتریں گے۔ پھر دنیاوی جمعہ کے دن کے برابر وقت میں آواز دی جائے گی تو یہ لوگ اپنے رب کی زیارت کریں گے، اُن کے لئے اُس کا عرش ظاہر ہوگا اور اللہ تعالیٰ باغاتِ جنت میں سے کسی ایک باغ میں تجلی فرمائے گا۔ جنتیوں کے لیے منبر بچھائے جائیں گے جو نور، موتی، یاقوت، زمرد، سونے اور چاندی کے ہوں گے۔ اور اُن میں سے ادنیٰ درجے کا جنتی (اگرچہ ان میں کوئی ادنیٰ نہیں ہوگا) بھی مشک اور کافور کے ٹیلوں پر ہوگا، وہ لوگ یہ نہیں دیکھ سکیں گے کہ کوئی اُن سے اعلیٰ منبروں پر بھی ہے (تا کہ وہ غمگین نہ ہوں)۔ حضرت ابو ہریرہ ♍ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہم اللہ رب العزت کو دیکھیں گے۔ آپ ♋ نے فرمایا اسی طرح تم لوگ اپنے رب کو دیکھنے میں زحمت وتردد میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ بلکہ اس مجلس میں کوئی شخص ایسا نہیں ہوگا جو بالمشافہ اللہ تعالیٰ سے گفتگو نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُن میں سے کسی سے کہیں گے کہ اے فلاں بن فلاں تمہیں یاد ہے کہ تم نے فلاں دن اس طرح کہا تھا اور اسے اُس کے بعض گناہ یاد دلائیں گے۔ وہ عرض کرے گا اے اللہ کیا آپ نے مجھے معاف نہیں کر دیا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیوں نہیں۔ میری مغفرت کی وسعت ہی کی وجہ سے تو تم اس منزل پر پہنچے ہو۔ اس دوران ان

لوگوں کو ایک بدلی ڈھانپ لے گی اور اُن پر ایسی خوشبو کی بارش کرے گی کہ انہوں نے کبھی ویسی خوشبو نہیں سونگھی ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اٹھو اور میری کرامتوں (انعامات) کی طرف جاؤ جو میں نے تمہارے لیے رکھے ہیں جو چاہو لے لو، پھر ہم لوگ اُس بازار کی طرف جائیں گے۔ فرشتوں نے اس کا احاطہ کیا ہوا ہوگا۔ اور اُس میں ایسی چیزیں ہوں گی جنہیں نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل پر ان کا خیال گزرا۔ چنانچہ ہمیں ہر وہ چیز عطا کی جائے گی۔ جس کی ہم خواہش کریں گے۔ وہاں خرید و فروخت نہیں ہوگی۔ پھر وہاں جنتی ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔ اُس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر اُن سے اعلیٰ مرتبے والے جنتی اپنے سے کم درجے والے سے ملاقات کرے گا، حالانکہ ان میں سے کوئی بھی کم درجے والا نہیں ہوگا تو اسے اس کا لباس پسند آئے گا۔ ابھی اس کی بات پوری بھی نہیں ہوگی کہ اس کے بدن پر اس سے بھی بہتر لباس ہو جائے گا۔ یہ اس لئے ہوگا کہ وہاں کسی کا غمگین ہونا جنت کی شان کے خلاف ہے۔ پھر ہم اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ وہاں جب ہماری بیویوں سے ملاقات ہوگی تو وہ کہیں گی۔ مرحبا و اھلاً تم پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو کر لوٹے ہو۔ ہم کہیں گے کہ آج ہم اپنے ربِ جبار کی مجلس میں بیٹھ کر آ رہے ہیں۔ لہٰذا اسی حسن و جمال کے مستحق ہیں۔ (1)

---

1) امام ترمذی کے مطابق یہ حدیث غریب ہے۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ○ أَلَمْ أَعْهَدْ
إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ
عَدُوٌّ مُّبِينٌ ○ وَأَنِ اعْبُدُونِي هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ○
وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنكُمْ جِبِلًّا كَثِيراً أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ
○ هٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ○ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ
بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ○

(اور کہا جائے گا) اے مجرمو! آج (اہلِ ایمان سے) الگ ہو جاؤ۔
اے آدمؑ کی اولاد! کیا میں نے تم کو تاکید نہ کر دی تھی کہ تم شیطان کی غلامی نہ کرنا۔ وہ تمھارا کھلا دشمن (declared enemy) ہے؟ اور یہ کہ میری ہی بندگی کرنا یہی سیدھا راستہ ہے؟ مگر اس کے باوجود اُس نے تم میں سے ایک کثیر تعداد (majority) کو گمراہ کر دیا تو کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔

یہ وہی جہنم ہے جس سے تم کو ڈرایا جاتا رہا تھا۔ دنیا میں جو کفر تم کرتے رہے ہو اُس کے بدلے میں آج اِس میں داخل ہو جاؤ۔

آیات 59 سے 64 تک کی تفسیر:

اہل جہنم کو میدان قیامت میں حکم ہوگا کہ دنیا میں تو تم صالح مومنین کے ساتھ رہتے تھے بلکہ کئی دفعہ مومنین کی زندگیاں بھی تم نے اپنے ماڈرن لائف سٹائل کی وجہ سے اجیرن کی ہوئی تھیں، صرف اسلئے کہ تم ان کے رشتہ دار تھے۔ اور دنیا تو ہے ہی دارالامتحان لیکن آج جزا کا دن ہے اسلئے اب تم باایمان بندوں سے علیحدہ ہو جاؤ اور اپنے اعمال کی سزا بھگتو۔ پھر اللہ تعالیٰ مجرموں کو مخاطب ہوگا کہ کیا میں نے تم سے عہد نہ لیا تھا کہ شیطان کی فرماں برداری نہ کرنا کیونکہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے حکم سے جہنم اپنی گردن نکالے گی جس میں سخت اندھیرا ہوگا۔ وہ بھی کہے گی کہ اے انسانوں کیا اللہ تعالیٰ نے تم سے یہ وعدہ نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا؟ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرنا یہ سیدھی راہ ہے۔ اُس نے تم میں سے اکثر کو گمراہ کر دیا۔ کیا تم سمجھتے نہ تھے؟ اے گنہگارو! آج تم جدا ہو جاؤ۔ اُس وقت نیک و بد الگ ہو جائیں گے۔ بُرے لوگوں میں سے ہر ایک گھٹنوں کو بل گر پڑے گا۔ (بحوالہ: تفسیر ابن کثیر جلد 4 تفسیر سورہ یٰسین)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفار، گنہگار مسلمان اور منافقین عام طور پر شیطان کی عبادت تو نہیں کرتے۔ وہ تو بتوں یا مختلف قسم کے سیاسی اور معاشی نعروں یا "ازم" کی عبادت کرتے ہیں یا اپنے حکمرانوں اور سیاسی لیڈروں کے بے دام کے غلام بنتے ہیں۔ پھر اُن پر شیطان کی عبادت کا الزام کیوں عائد کیا جائے گا؟

اِس کے جواب میں مفسرِ قرآن مولانا مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

"کسی کی اطاعتِ مطلقہ [unconditional obedience] کرنا کہ ہر کام ہر حال

میں اُس کا کہنا ماننے اسی کا نام عبادت ہے۔چونکہ اُن لوگوں نے ہمیشہ شیطانی تعلیم ہی کی پیروی کی اسلئے اُن کو عابدُ الشَّیطان کہا گیا جیسا کہ حدیث میں اُس شخص کو جو مال یا بیوی کی محبت میں آ کر ہر وہ کام کرنے لگے جس سے مال بڑھے یا بیوی راضی ہو اگر چہ خدا تعالیٰ اُس سے ناراض ہو۔ایسے شخص کو حدیث میں عبدالدّرھم اور عبدالزوجہ کا لقب دیا گیا ہے۔'' (1)

شیطان کی عبادت کے متعلق امام رازی تفسیرِ کبیر میں لکھتے ہیں:

" لَاتَعْبُدُوا الشَّیْطٰن کے معنی ہیں لاتطیعوہ' (اس کی اطاعت نہ کرو)۔ اِس کی دلیل یہ ہے کہ اُس کی محض سجدہ کرنا ہی ممنوع نہیں ہے بلکہ اُس کی اطاعت کرنا اور اُس کے حکم کی تابعداری کرنا بھی ممنوع ہے لہٰذا اطاعت عبادت ہے۔اُس کے بعد امام صاحب یہ سوال اُٹھاتے ہیں کہ اگر عبادت بمعنی طاعت ہے تو کیا آیت اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ میں ہم کو رسول اور امراء کی عبادت اور اسی کی اطاعت ہوگی۔ کیا دیکھتے نہیں ہو کہ ملائکہ نے اللہ کے حکم سے آدم کو سجدہ کیا اور یہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ تھی۔امراء کی اطاعت کا اذن نہیں دیا ہے پھر فرماتے ہیں:''اگر کوئی شخص تمہارے سامنے آئے اور تمہیں کسی چیز کا حکم دے تو دیکھو کہ اس کا یہ حکم اللہ کے حکم کے موافق ہے یا نہیں۔موافق نہ ہو تو شیطان اس شخص کے ساتھ ہے اگر اس حالت میں تم نے اس کی اطاعت کی تو تم نے اس کی اور اس کے شیطان کی عبادت کی۔اسی طرح اگر تمہارا نفس تمہیں کسی کام کے کرنے پر اُکسائے تو دیکھو کہ شرع کی رو سے وہ کام کرنے کی اجازت ہے یا نہیں۔اجازت نہ ہو تو تمہارا نفس خود شیطان ہے یا شیطان اُس کے ساتھ ہے۔اگر تم نے اس کی پیروی کی تو تم اس کی عبادت کے مرتکب ہوئے۔آگے چل کر وہ پھر فرماتے ہیں۔مگر شیطان کی عبادت کے مراتب مختلف ہیں۔کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی

---

1) معارف القرآن، مولانا مفتی محمد شفیع، جلد ہفتم، تفسیر سورہ یٰس، مطبوعہ کراچی

ایک کام کرتا ہے اور اس کے اعضاء کے ساتھ اس کی زبان بھی اس کی موافقت کرتی ہے اور دل بھی اس میں شریک ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اعضاء جوارح سے تو آدمی ایک کام کرتا ہے مگر دل اور زبان اس کام میں شریک نہیں ہوتے بعض لوگ ایک گناہ کا ارتکاب اِس حال میں کرتے ہیں کہ دل اُن کا اُس پر راضی نہیں ہوتا اور زبان اُن کی اللہ سے مغفرت کررہی ہوتی ہے اور وہ اعتراف کرتے ہیں کہ ہم یہ برا کام کررہے ہیں ۔یہ محض ظاہری اعضاء سے شیطان کی عبادت ہے کچھ اور لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ٹھنڈے دل سے جرم کرتے ہیں اور زبان سے بھی اپنے اُس فعل پر خوشی واطمینان کا اظہار کرتے ہیں ...... یہ ظاہروباطن دونوں میں شیطان کے عابد ہیں۔" (1)

---

1) تفسیر کبیر۔ امام فخر الدین الرازی، جلد 7 ۔ص 104-103 بحوالہ تفہیم القرآن، جلد 4 ،ص 268-267

اَلْيَـوْمَ نَـخْتِـمُ عَـلَـى أَفْـوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ
وَتَشْهَـدُ أَرْجُـلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ○ وَلَوْ نَشَاءُ
لَـطَـمَسْـنَـا عَـلٰـى أَعْيُـنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنّٰى
يُبْصِرُونَ ○ وَلَـوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَى مَكَانَتِهِمْ
فَـمَـا اسْتَـطَاعُوا مُضِيّاً وَلَا يَرْجِعُونَ ○ وَمَـنْ نُعَمِّرْهُ
نُـنَـكِّسْـــهُ فِـــيْ الْـــخَـلْـقِ أَفَلَا يَـعْـقِلُـونَ ○
وَمَـا عَـلَّـمْـنَـاهُ الشِّـعْرَ وَمَا يَنبَغِيْ لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ
وَقُرْآنٌ مُّبِيْنٌ ○ لِيُـنـذِرَ مَـن كَانَ حَيّاً وَيَحِقَّ الْقَوْلُ
عَـلَـى الْكَافِرِيْنَ ○ أَوَلَـمْ يَـرَوْا أَنَّـا خَـلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا
عَـمِـلَـتْ أَيْدِيْنَا أَنْعَاماً فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ○ وَذَلَّلْنَاهَا
لَهُـمْ فَـمِـنْهَـا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ○ وَلَهُمْ فِيْهَا
مَـنَـافِـعُ وَمَشَارِبُ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ○ وَاتَّـخَذُوا مِن
دُونِ الـلّٰـهِ آلِهَةً لَـعَـلَّهُمْ يُنصَرُونَ ○ لَا يَسْتَـطِيْعُونَ

نَصۡرَهُمۡ وَهُمۡ لَهُمۡ جُندٌ مُّحۡضَرُونَ o فَلَا يَحۡزُنكَ قَوۡلُهُمۡ إِنَّا نَعۡلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعۡلِنُونَo

آج ہم اُن کے منہ بند کیے دیتے ہیں، اُن کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور اُن کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ یہ لوگ دنیا میں کرتے رہے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اِن کی آنکھیں مٹا دیں، پھر یہ راستے کی طرف دوڑیں لیکن وہ اُس کو کہاں سے دیکھ سکیں گے؟ اگر ہم چاہیں تو اُن کی جگہ ہی پر اُن کی صورتیں بدل ڈالیں (مسخ کردیں) کہ یہ نہ آگے چل سکیں اور نہ پیچھے پلٹ سکیں۔ جس شخص کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں اُس کی ساخت کو ہم (زوال کی طرف) الٹا کردیتے ہیں۔ تو کیا یہ لوگ سمجھتے نہیں؟

ہم نے اس (نبیؐ) کو شعر کی تعلیم نہیں دی ہے اور نہ شاعری اس کو زیب دیتی ہے۔ یہ تو محض ایک نصیحت ہے اور ایک آسمانی کتاب ہے جو احکام واضح طور پر بیان کرتی ہے تاکہ ہر ایسے شخص کو خبردار کرے جو زندہ ہے اور انکار کرنے والوں پر (عذاب کی) حجت ثابت ہو جائے۔

کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا کہ ہم نے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے اِن کے لیے مویشی پیدا کیے اور اب یہ اُن کے مالک

ہیں اور ہم نے انھیں اس طرح ان کا مطیع کر دیا ہے کہ کسی پر یہ سوار ہوتے ہیں، کسی کا یہ گوشت کھاتے ہیں اور اِن مویشیوں میں اُن کے لئے بہت سے فوائد اور پینے کی چیزیں بھی ہیں۔ پھر یہ لوگ کیوں شکر بجا نہیں لاتے؟

(اِن سب نعمتوں کے باوجود) انھوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنالئے ہیں اِس توقع پر کہ اِن سے کچھ مدد حاصل ہو۔ لیکن وہ معبود اُن کی کچھ مدد نہیں کرسکتے اور حال یہ ہے کہ یہ لوگ اُن کی حاضر کی ہوئی فوج بنے ہوئے ہیں۔

تو اُن لوگوں کی باتیں آپؐ کے لئے آزردگی کا باعث نہ بنیں، بے شک ہم سب جانتے ہیں جو کچھ یہ دل میں رکھتے ہیں اور جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں۔

آیات 65 سے 76 تک کی تفسیر:

یہاں پر قیامت والے دن جو اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی اس کی کارروائی کی ہلکی سی جھلک دکھائی جارہی ہے۔ جس طرح دنیا کی عدالتوں میں مجرموں پر جرم ثابت کرنے کے لیے گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے، دنیا کے دوسرے معاملات مثلاً نکاح، مالی لین دین وغیرہ میں گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح قیامت والے دن مجرموں پر اپنی حجت پوری کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ پانچ قسم کے گواہ لائے گا کیونکہ اللہ جس کو بھی سزا دیگا انصاف کے تقاضے پورے کر کے دیگا۔ اُس کی عدالت میں ہر مجرم کے خلاف جو مقدمہ بھی چلایا جائیگا اُس کو ایسی مکمل

شہادتوں سے کیا جائیگا کہ وہ مجرم بھی انکار نہ کر سکے گا۔

قیامت کے روز انسان کے خلاف پانچ قسم کی گواہیاں

1) زمین کی گواہی

قیامت کے روز انسان پر سب سے بڑی گواہ یہ زمین ہوگی جس کی پیٹھ پر انسان نے اللہ کی بے شمار نافرمانیاں کی ہوں گی۔ یہ زمین اور اُس کی فضا ابھی تو انسان کے ہر عمل کے نقوش (Images) اور اُس کی زبان سے نکلے ہر لفظ کو اپنے اندر محفوظ کرتی جا رہی ہے لیکن ایک دن یہ سب Video تمام لوگوں کے سامنے Replay ہوگی۔ زمین کی گواہی کے متعلق سورہ زلزال میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا o (سورہ الزلزال:4)

''اُس روز (یہ زمین) اپنے اوپر گزرے ہوئے حالات بیان کرے گی۔''

اسی کی تفسیر میں حضورؐ نے حدیث میں فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلّٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا اَخْبَارُهَا قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ اَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ اَخْبَارَهَا أَنْ تَشْهَدَ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلَى ظَهْرِهَا تَقُولُ عَمِلَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا فَهٰذِهِ أَخْبَارُهَا. (ترمذی) (1)

---

1) ترمذی حدیث 1277۔ امام ترمذی کے مطابق یہ حدیث حسن صحیح ہے، اِس حدیث کو احمد، نسائی، حاکم اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی **یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا** (اس دن وہ اپنی خبریں بیان کرے گی۔ الزلزال ۔ آیت) اور فرمایا کہ جانتے ہو کہ زمین کی خبریں کیا ہیں؟ عرض کیا اللہ اور اُس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ جانتے ہیں ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اُس کی خبریں یہ ہیں کہ یہ ہر مرد و عورت کے متعلق بتائے گی کہ اُس نے اس پر (یعنی زمین پر) کیا کیا اور کہے گی کہ اس نے اس طرح کیا اس طرح کیا۔

حضرت **ربیعة الخرشی** کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ''ذرا زمین سے بچ کر رہنا کیونکہ یہ تمہاری جڑ بنیاد ہے اور اس پر عمل کرنے والا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے عمل کی یہ خبر نہ دے خواہ اچھا ہو یا برا۔'' **(معجم الطبرانی)**

2) کراماً کاتبین کی گواہی

ہر انسان کے ساتھ دو محافظ فرشتے ہر وقت موجود رہتے ہیں اور اُن کے ہر عمل کو نوٹ کرتے جاتے ہیں خواہ وہ اچھا عمل ہو یا برا عمل۔ دنیا کے ویڈیو کیمرے (Camcorders) یا سیکورٹی کیمرے (Surveillance Cameras) کبھی فنی خرابی یا بیٹری ختم ہونے کی وجہ سے یا لوڈشیڈنگ کی وجہ سے خراب بھی ہو جاتے ہیں لیکن اِن دونوں فرشتوں کے ملکوتی ویڈیو کیمرے (Angelic video camcorders) نہایت درستی (Accuracy) کے ساتھ انسان کے تمام اقوال اور افعال ریکارڈ کر رہے ہیں بلکہ دنیا کے کیمرے تو صرف ظاہری حرکات ریکارڈ کرتے ہیں جبکہ فرشتے انسان کی نیت کو بھی ریکارڈ کر لیتے ہیں اور قیامت کے روز وہ انھیں اللہ کی عدالت میں بطورِ گواہ (witness) کے پیش کریں گے۔ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحَافِظِیْنَ o کِرَاماً کَاتِبِیْنَ o یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ o

(سورہ الانفطار آیات 10-12)

''تم پرنگران مقرر ہیں ایسے معزز کاتب جو تمہارے ہر فعل کو جانتے ہیں۔''

اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْہِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ o (سورہ ق:18)

''کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگراں موجود نہ ہو۔''

3) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی

رسول اللہ ﷺ قیامت والے دن اللہ کی عدالت میں اس بات کی گواہی دیں گے کہ انھوں نے اُن لوگوں کے سامنے حق پیش کر دیا تھا۔ دنیا میں آپؐ نے اپنے قول اور عمل سے اِس بات کی گواہی دی کہ آپؐ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّا أَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ رَسُولاً شَاھِداً عَلَیْکُمْ کَمَا أَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُولاًo (سورہ المزمل:15)

''تم لوگوں کے پاس ہم نے اُسی طرح ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔''

4) اللہ تعالٰی کی بذاتِ خود گواہی

اللہ تعالٰی قیامت کی عدالت میں خود جج ہوگا اور چونکہ اُسے انسان کے ہر عمل کی پوری

خبر ہے اس لیے وہ روزِ قیامت خود انسان کو یاد دلائے گا کہ فلاں وقت جب اسے گناہ کرتے کوئی نہیں دیکھ رہا تھا اُس وقت اللہ کی تمام حرکات کا نوٹس لے رہا تھا۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ﴾ (سورہ الِ عمران:15)
اللہ اپنے بندوں کے رویے کو دیکھ رہا ہے۔)

اور سورہ الحدید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴾
(سورہ الحدید:4)
''وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو جو کام بھی تم کرتے ہو اسے وہ دیکھ رہا ہے۔''

5) انسان کے اپنے اعضاء کی گواہی

قیامت کے روز اللہ کی عدالت میں جو چیز گنہگاروں اور انکاری مجرموں کے لیے سب سے زیادہ حیرت والی ہوگی وہ اُن کے اپنے جسم کے اعضاء (Organs) کی اُن کے خلاف گواہی ہوگی۔ وہ لوگ زمین کی گواہی کو ٹھکرا دیں گے، کراماً کاتبین فرشتوں کی گواہی کو سامنے سے انکار کر دیں گے، رسولِ کریمؐ کی گواہی کو نہیں مانیں گے حتی کہ اللہ کی گواہی کے سامنے اپنے گناہوں سے صاف مکر جائیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ اُن مجرموں کے جسم کو حکم دے گا کہ اُن پر الٹ پڑے۔ اُن کی زبان سے بولنے کا اختیار لے لیا جائیگا اور پھر اُن کے ہاتھ گواہی دیں گے کہ اُن ہاتھوں سے اُس شخص نے رشوت لی تھی یا کسی یتیم کا مال کھایا تھا یا کسی کو قتل کیا تھا، آنکھیں گواہی دیں گی کہ ان آنکھوں سے اس نے ٹی وی، انٹرنیٹ، رسالوں میں حرام تصاویر یا فلمیں دیکھیں، انہی قدموں سے یہ شخص اللہ کی نافرمانی کے کاموں کے لیے چل کر گیا تھا۔ اسی بات کی طرف سورہ

یٰسین کی اِن آیات میں اشارہ ہے:

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی أَفْوَاھِھِمْ وَتُکَلِّمُنَا أَیْدِیْھِمْ وَتَشْھَدُ أَرْجُلُھُمْ بِمَا کَانُوا یَکْسِبُوْنَ o

''آج ہم اُن کے منہ بند کیے دیتے ہیں، اُن کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور اُن کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ یہ لوگ دنیا میں کرتے رہے ہیں۔''

قرآن میں ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

حَتّٰی إِذَا مَا جَاؤُوھَا شَھِدَ عَلَیْھِمْ سَمْعُھُمْ وَأَبْصَارُھُمْ وَجُلُودُھُمْ بِمَا کَانُوا یَعْمَلُونَ o وَقَالُوا لِجُلُودِھِمْ لِمَ شَھِدتُّمْ عَلَیْنَا قَالُوا أَنطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیْ أَنطَقَ کُلَّ شَیْءٍ o

(سورہ حٰمٓ السجدہ: آیات 20,21)

''پھر جب سب وہاں پہنچ جائیں گے تو اُن کے کان اور اُن کی آنکھیں اور اُن کے جسم کی کھالیں اُن پر گواہی دیں گی کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔ وہ اپنے جسم کی کھالوں سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟'' وہ جواب دیں گی ''ہمیں اُسی خدا نے بولنے کی صلاحیت دی جس نے ہر چیز کو بولنے کے قابل بنا دیا ہے۔''

پھر اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ انسان کو یاد کرواتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو اُس کی قوتِ بینائی چھین سکتا ہے۔ اگر اللہ چاہے تو انسان پر فالج کا حملہ کروا کر اُس کے ہاتھ پاؤں کو ناکارہ بنا سکتا ہے۔ کسی ٹریفک کے حادثے میں یا گردن توڑ بخار (bacterial meningitis) کا شکار ہو کر انسان راتوں رات مکمل طور پر مفلوج ہو سکتا ہے۔

وہ اللہ ہی ہے جو انسان کو بڑھاپے کی عمر میں پہنچا کر ایسا کر دیتا ہے کہ اُس کے جسم کی تمام صلاحیتیں جواب دے جاتی ہیں۔ بچپن میں بچوں کی نرم وملائم جلد بڑھاپے میں پہنچ کر کھردری اور جھریوں والی ہو جاتی ہے۔ یاداشت کمزور ہو جاتی ہے۔جسم کے جوڑ جوڑ درد کرنے لگ جاتے ہیں۔ جوانی میں انسان کو سب سے زیادہ بھروسہ اپنے سننے کی صلاحیت (Sense of hearing) اور دیکھنے کی صلاحیت(Eyesight) پر ہوتا ہے اور بڑھاپے میں یہ دونوں صلاحیتیں انسان کا ساتھ چھوڑ جاتی ہیں۔بقول ایک عرب شاعر:

۔ مَنْ عاش اخلقت الایّام حدّ تهٗ

وخانه ثقتاه السمع و البصرُ

(یعنی جو شخص زندہ رہے گا تو زمانہ اُس کی حرارت وشدت کو پرانا کر دیگا اور اُس کے سب سے بڑے اور قابلِ اعتماد دوست یعنی سننے اور دیکھنے کی طاقتیں بھی اُسے دھوکہ دے کر اُس سے علیحدہ ہو جائیں گے۔)

پھر اُس کے بعد کی آیات میں کفار کو بتایا گیا ہے کہ یہ کلام کوئی شاعری نہیں بلکہ یہ الہامی کتاب ہے۔یہ ایک نصیحت ہے ہر اُس شخص کے لیے جس کا دل ابھی زندہ ہے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔اللہ نے کس طرح مویشیوں کو انسانوں کا تابعدار بنایا ہے۔اس لیے شکر کا تقاضا یہ ہے کہ انسان بھی اُسی طرح اللہ کا تابعدار بن جائے۔یہ لوگ اپنے جھوٹے معبودوں اور لیڈروں سے امید نہ باندھیں بلکہ اللہ کے غلام بنیں۔

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ
خَصِيمٌ مُّبِينٌ o وَضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ
مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ o قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي
أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ o الَّذِي
جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَاراً فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ
تُوقِدُونَ o أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُم بَلَى وَهُوَ
الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ o إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئاً أَنْ يَقُولَ
لَهُ كُنْ فَيَكُونُ o فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ
شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ o

کیاانسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اُسے ایک نطفہ سے
پیدا کیااور پھر وہ صریح جھگڑالوبن کر کھڑا ہوگیا؟

اب وہ ہم پر مثالیں چسپاں کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول جاتا

ہے۔ کہتا ہے ''ان ہڈیوں کو، جبکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں، کون زندہ کرے گا؟

آپؐ کہہ دیجئے کہ اُن کو وہی زندہ کرے گا جس نے اسے پہلی بار پیدا کیا اور وہ تخلیق کا ہر کام جانتا ہے۔ وہی ہے جس نے تمھارے لیے سرسبز درخت سے آگ پیدا کر دی اور اب تم اُس سے (اپنے چولہوں کی) آگ سلگا لیتے ہو۔ اور جس نے آسمان اور زمین پیدا کئے ہیں کیا وہ اِس پر قادر نہیں کہ اُن جیسے آدمیوں کو (دوبارہ) پیدا کر دے۔ ضرور وہ قادر ہے اور وہ بڑا پیدا کرنے والا ہے اور خوب جاننے والا ہے۔ وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس اُس کا معمول تو یہ ہے کہ اُس چیز کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جانے والے ہو۔

آیات 77 سے 83 تک کی تفسیر:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی اپنی تخلیق پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے کہ کس طرح وہ ایک نطفہ سے پرورش کرتے کرتے مکمل انسان بنتا ہے اور اپنی تخلیق کے ہر مرحلے پر وہ اللہ کے رحم و کرم کا محتاج ہوتا ہے پھر وہ بڑا ہو کر اللہ ہی کے وجود کا منکر بن جاتا ہے۔

کفار مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کے منکر تھے۔ ان آیات میں اُن کے اس اعتراض

کا جواب دیا جا رہا ہے۔سورہ یٰسٓ کی یہ آخری آیات ایک خاص واقعے میں نازل ہوئیں۔امام بیہقی شعب الایمان میں لکھتے ہیں کہ مکہ کے سرداروں میں سے ابی بن خلف قبرستان سے کسی مردے کی ایک بوسیدہ ہڈی لیے ہوئے آیا اور اُس نے نبیؐ کے سامنے اُسے ہاتھ سے توڑ کر ریزہ ریزہ کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ کیا اللہ اِس ہڈی کو زندہ کرے گا جس کا حال یہ دیکھ رہے ہیں۔رسول اللہ نے فرمایا کہ ہاں اللہ تعالیٰ تجھے موت دے گا، پھر زندہ کرے گا، پھر تجھ کو جہنم میں داخل کریگا۔اس موقع پر جواب کے لیے سورہ یٰسٓ کی یہ 5 آیات نازل ہوئیں(بحوالہ تفسیر ابن کثیر: جلد 4)

عجیب بات ہے کہ مغرب کے دہریے مفکرین اور سائنسدان ایک طرف تو موت کے بعد دوسری زندگی کے بالکل قائل نہیں چاہے وہ فرائڈ کی نفسیاتی تحلیل (Psychonalysis) کانظریہ ہو یا ڈارون کا ارتقاء کانظریہ (Theory of Evolution) یا کارل مارکس کا سوشلزم (Socialism) سب کے پیچھے وہی نظریہ کام کررہا ہے کہ کیا ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہوکر پھر دوبارہ زندگی کی جاسکیں گی؟ لیکن دوسری طرف مغربی سائنسدان کلوننگ (Cloning) کے ذریعے انسان کی کاربن کاپی بنانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔عجیب بات ہے کہ سائنسدان یہ سمجھتے ہیں کہ وہ انسان کو کلوننگ کے ذریعے دوبارہ زندہ کرسکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ قیامت کے روز انھیں زندہ نہیں کرسکتا۔حتیٰ کہ امریکہ کے بعض امیر جب مرتے ہیں تو یہ وصیت کرتے ہیں کہ اُن کے جسم کو بہنے والی نائیٹروجن گیس (Liquid Nitrogen) میں جما دیا جائے (Freeze کردیا جائے) اور مستقبل میں اتنی سائنسی ترقی ہوجائے کہ ہم مردوں کو دوبارہ زندہ کرسکیں تو انھیں بھی زندہ کردیا جائے۔

اس علم کو میڈیکل اصطلاح میں Cryonics کہا جاتا ہے۔سائنسی محقق آر سی مرکل (R.C.Merkle) اس کے متعلق لکھتا ہے:

"Cryonic suspension is a method of stabilizing the condition of someone who is terminally ill so that they can be transported to the medical care facilities that will be Tissue available in the late 21st or 22nd century.... preserved in liquid nitrogen can survive centuries withoue deterioration. This simple fact provides an imperfect time machine that can transport us almost unchanged from the present to the future: we need merely freeze ourseleves in liquid nitrogen." (1)

''منجمد نائیٹروجن میں جسم کو محفوظ کرنے کا طریقہ ایک ایسا ذریعہ ہے کہ جس سے ہم مرنے والے لوگوں کو ایسے میڈیکل سنٹروں میں منتقل کر سکیں گے جو اکیسویں صدی کے آخر اور بائیسویں صدی میں وجود میں آئیں گے..... بہنے والی نائیٹروجن (Liquid Nitrogen) میں منجمد اور محفوظ کیے گئے جسم کے اعضاء بغیر نقصان کے کئی صدیوں تک سلامت رہتے ہیں۔ اِس بات کا مطلب ہے کہ ہمارے ہاتھ ایک ایسی ناقص ٹائم مشین لگ گئی ہے جو ہمیں بغیر جسم بدلے حال سے مستقبل میں پہنچا سکتی ہے۔ ہمیں صرف اپنے آپ کو (مرنے کے بعد) مائع نائیٹروجن (Liquid Nitrogen) میں جمانے کی ضرورت ہے۔''

Liquid Nitrogen کا درجہ حرارت "-196 degree C" یعنی منفی 196 ڈگری سینٹی گریڈ ہوتا ہے۔ یہ مسلسل ہوا میں تحلیل (evaporate) ہوتی رہتی

---

1) Merkle, R.C. (Sept,1992) " The Technical Feasibility of Cryonics". Medical Hypotheses. Vol.39. Issue I, pp, 6-16.

ہے۔اس لیے صرف امیر لوگ ہی اس میں اپنی میت کو فریز کروانے کا خرچہ برداشت کر سکتے ہیں لیکن یہ کوئی نئی ذہنیت نہیں کیونکہ فراعنہ مصر بھی اسی نقطہ نظر سے اپنے مردہ اجسام کو حنوط (Preserve) کرواتے (یعنی Mummy بناتے) تھے۔

لیکن عجیب بات ہے یہ لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کسی بھی چیز کو پہلی مرتبہ پیدا کرنا زیادہ مشکل ہوتا ہے اور اسی چیز کو دوسری مرتبہ بنانا آسان تر ہوتا ہے۔مزید برآں، اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہے تو انسانی مصنوعات کی طرح اُسے خام مال (Raw Material) کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ اُس کا حکم دے دینا کافی ہوتا ہے کہ ''پیدا ہو جا'' تو جس چیز کو حکم ملتا ہے وہ فوراً اُس کے حکم کے مطابق وجود میں آجاتی ہے۔

سورہ یٰسٓ کا شہیدُ الدّعوۃ اور

اللہ کے ہاں شہداء کا مرتبہ

ہم نے سورۃ یٰسٓ میں حبیبؓ النجار کا واقعہ پڑھا۔ اُس مردِ مومن شہید الدعوۃ کے اخلاص کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اُن کی قوم نے انھیں نہایت بے دردی سے شہید کیا لیکن جنت میں جا کر بھی حبیبؓ النجار نے اِس تمنا کا اظہار کیا کہ کاش میری قوم بھی اِس بات کی قدر و قیمت جانتی کہ اِس دعوتِ دین، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اِس شہادت کے عوض مجھے فوراً جنت میں داخل کر دیا گیا اور مجھے اللہ نے اپنے قریبی بندوں میں شامل فرما دیا۔
اِس داعیِ حق کی تعریف کرتے ہوئے عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا تھا:

نَصَحَ قَومَهٗ حَيًّا وَ مَيِّتًا۔

(اُس شخص نے اپنی زندگی میں بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی اور قتل ہونے کے بعد بھی۔)

اب اگلی سطور میں دعوتِ دین کے کام میں شہید ہونے والوں کے اللہ کے ہاں مرتبے کو بیان کیا جائے گا۔ اللہ کے راستے میں اسلامی مملکت کی حفاظت کے لیے دشمنوں سے معرکہ آرائی کرنا یا اُس کی مدافعت کرتے ہوئے جان دے دینا شہادت کہلاتا ہے۔ اسلامی معاشرے کا اصل قلعہ اسلامی مملکت ہی ہوتی ہے اور اسی لیے اکثر و بیشتر باطل کی طرف سے اسلامی مملکت کی

سرحدوں پر یلغار ہوتی ہے۔ایسی صورت میں جو شخص ایک اسلامی سلطنت کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے راتوں کو جاگتا ہے، جہاد کرتا ہے اور آخر کار خاک وخون میں لت پت ہوجاتا ہے، اللہ کے نزدیک شہید کہلاتا ہے۔مزید برآں، جو شخص اس جہاد میں مجاہدین کی جس طرح بھی مدد کر رہا ہوتا ہے اور اس دوران کسی حادثے کی وجہ سے جان دے دیتا ہے وہ بھی شہید ہی ہے۔ جب اسلامی مملکت پر کوئی غیر مسلم ملک حملہ کردے تو تمام مسلمان شہریوں پر جہاد فرض عین ہوجاتا ہے یہاں تک کہ بیوی کو اپنے خاوند سے جہاد کرنے کی اجازت مانگنے کی ضرورت نہیں رہتی، غلام کو اپنے آقا سے اور مقروض شخص کو اپنے قرض خواہ (جس سے قرض لیا ہو) سے جہاد کرنے کی اجازت مانگنے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ اسلامی مملکت میں جیلوں موجود قیدیوں پر بھی جہاد فرض ہوجاتا ہے جنھیں ایسی صورتحال میں بارڈر پر جہاد کے لئے بھیجنا اسلامی حکومت پر لازم ہے۔یادرہے کہ جب امن وامان ہو اُس وقت جہاد فرض کفایہ ہوتا ہے اور اُس وقت اگر کوئی مقروض شخص اسلامی حکومت کی طرف سے جہاد کرے اور شہید ہوجائے تو اُس کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں سوائے قرض کے۔ لیکن جب جہاد فرض عین ہوجاتا ہے تو ایسی صورت میں جہاد میں شہید ہونے والے کے تمام گناہ قرض سمیت معاف ہوجاتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ جو لوگ معاشرے میں حقیقی اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جدوجہد کے دوران منافق حکمرانوں اور ماڈرنسٹ اور روشن خیال مسلمان سرکاری عہدہ داروں کے ہاتھوں قتل ہوجاتے ہیں اُن لوگوں کی مثال بھی سورہ یٰسٓ کے شہیدُ الدعوۃ حبیبؔ النجار کی سی ہے جو دعوتِ دین اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے کام میں شہید کردیا گیا تھا۔دراصل دشمنوں کے خلاف میدانِ جنگ میں قتال فی سبیل اللہ اور معاشرے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اعلائے کلمۃ الحق کی جدوجہد کی غرض وغایت (Goal) ایک ہی ہے یعنی اللہ کی رضا اور اُس کے دین کا صحیح نفاذ۔یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے صحیح بخاری میں دعوت وتبلیغ اور اعلائے کلمۃ اللہ کی جدوجہد (یعنی دعوۃ) کے لیے جو باب باندھا ہے وہ جہاد کے تحت درج ہے یعنی "بـــاب

الدعوۃ فی کتاب الجہاد والسیر"

ویسے بھی ہم جانتے ہیں کہ سب سے افضل جہاد ظالم حکمران (جن کی پاکستان میں کمی نہیں) کے سامنے حق بات کہنا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: اَیُّ جِھَادٍ اَفْضَلُ "کونسا جہاد سب سے اعلیٰ ہے؟"

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

كُلِمَةَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ (سنن النسائی) (1)

"ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا۔"

چنانچہ پاکستان کے حکومتی مولویوں نے جو کہا تھا کہ نفس کا جہاد سب سے افضل جہاد ہے وہ صحیح نہیں بلکہ جیسا کہ اوپر بیان کی گئی حدیث میں آیا ہے کہ ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا ہی سب سے بڑا جہاد ہے۔ ظالم حکمرانوں کے سامنے حق بات کہنے کے متعلق ہی اقبالؒ نے فرمایا تھا:

تو اگر کوئی مدبر ہے تو سن میری صدا
ہے دلیری دستِ اربابِ سیاست کی عصا
عرضِ مطلب سے جھجک جانا نہیں زیبا تجھے
نیک ہے نیت تیری تو کیا پروا تجھے
بندۂ مومن کا دل بیم و رجا سے پاک ہے
قوتِ فرمانروا کے سامنے بے باک ہے (اقبال)

---

1) اِس حدیث کے متعلق امام منذری "ترغیب وترہیب" میں لکھتے ہیں کہ اِس حدیث کے راوی طارق بن شہاب البجلیؓ صحابی رسول تھے اور انھوں نے خود یہ سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ اِس ضمن میں باقی جتنی احادیث مروی ہیں وہ حسن کے درجے تک ہیں جب کہ اِس حدیث کی سند سب سے زیادہ قوی اور صحیح ہے۔

بہر حال اسلام میں شہادت فی سبیل اللہ کو وہ مقام حاصل ہے کہ (نبوت اور صدیقیت کے بعد) کوئی بڑے سے بڑا عمل بھی اُس کی گرد کو نہیں چھو سکتا۔ اسلام کے اولین دور میں مسلمانوں کو جو ترقی نصیب ہوئی، وہ اُن شہداء کے جان نثاری کا فیض تھا جنھوں نے اللہ کی رضا حاصل کرنے اور اسلام کے پیغام کو سربلند کرنے کے لیے اپنے خون سے اسلام کے چمن کو سیراب کیا۔ قرآن وحدیث میں شہادت اور شہید کے اِس قدر فضائل بیان ہوئے ہیں کہ انسان کی عقل حیران رہ جاتی ہے اور کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْداً عَلَيْهِ حَقّاً فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللهِ فَاسْتَبْشِرُواْ بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴿ (سورۃ التوبہ آیت ۱۱۱)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے اُن کے نفس اور اُن کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے اور مرتے ہیں۔ اُن سے (جنت کا وعدہ) اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے توراۃ اور انجیل اور قرآن میں۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اِس سودے پر جو تم نے خدا سے چکالیا ہے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔''

شہادت کی اِس سے بہتر ترغیب کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے بندوں کی جان و مال کا خریدار ہے۔ اور اس کی قیمت کتنی مہنگی رکھی گئی ہے...... جنت ! پھر یہ بھی فرما دیا کہ یہ

سودا کچا نہیں کہ اِس کے ٹوٹ جانے کا خطرہ ہو کیونکہ خدائی وعدوں میں وعدہ خلافی کا کوئی امکان نہیں اور فرمایا: وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ یعنی اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے اور عہد و پیمان کی لاج رکھنے والا کون ہوسکتا ہے؟ یقیناً اللہ جیسا ایفائے عہد اور کوئی کر ہی نہیں سکتا۔

حضرت مسروق تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اِس آیت کی تفسیر دریافت کی:

"ولا تحسبنّ الّذین قُتلُوا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ امْوَاتًا بَلْ احْیآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْن" الآیة۔(سورۃ آلِ عمران) ترجمہ: "اور جو لوگ راہ خدا میں قتل کر دیئے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے پروردگار کے مقرب ہیں، ان کو رزق بھی ملتا ہے۔" تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکی تفسیر دریافت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَرْوَاحُهُـمْ فِـی جَـوْفِ طَیْـرٍ خُـضْـرٍ لَهَا قَنَادِیلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَسْـرَحُ مِنْ الْـجَنَّةِ حَیْثُ شَائَتْ ثُمَّ تَأْوِی اِلٰی تِلْکَ الْقَنَادِیلِ فَـاطَّـلَـعَ اِلَیْهِـمْ رَبُّهُمْ اِطِّلَاعَةً فَقَالَ هَلْ تَشْتَهُونَ شَیْئًا قَالُوا اَیَّ شَیْءٍ نَشْتَهِی وَنَحْنُ نَسْرَحُ مِنْ الْجَنَّةِ حَیْثُ شِئْنَافَفَعَلَ ذٰلِکَ بِهِـمْ ثَلَاثَ مَـرَّاتٍ فَـلَـمَّـا رَأَوْاَنَّهُـمْ لَـنْ یُتْـرَکُـوا مِـنْ اَنْ یَّسأَلُوا قَالُوا یَارَبِّ نُرِیدُأَنْ تَرُدَّ أَرْوَاحَنَافِی أَجْسَادِنَا حَتّٰی نُقْتَلَ فِی سَبِیلِکَ مَرَّةً أُخْرَی فَلَمَّارَأَی اَنْ لَیْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تُرِکُوا

(صحیح مسلم۔ کتاب الامارۃ۔ باب بیان أن ارواح الشهداء فی الجنة)

''شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں سواری کرتی ہے، اُن کی قرارگاہ (Residence) وہ قندیلیں (فانوس) ہیں جو عرش الٰہی سے آویزاں ہیں، وہ جنت میں جہاں چاہیں سیر وتفریح کرتی ہیں، پھر لوٹ کر اُنہی قندیلوں میں ٹھہرتی ہیں، ایک بار اُن کے پروردگار نے اُن سے بالمشافہ (directly) خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم کسی چیز کی خواہش رکھتے ہو؟ عرض کیا: ساری جنت ہمارے لیے مباح کردی گئی ہے، ہم جہاں چاہیں آئیں جائیں، اِس کے بعد اب کیا خواہش باقی رہ سکتی ہے؟ حق تعالیٰ نے تین بار اصرار فرمایا (کہ اپنی کوئی چاہت تو ضرور بیان کرو) جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی نہ کوئی خواہش عرض کرنی ہی پڑے گی تو عرض کیا: اے پروردگار! ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں دوبارہ لوٹا دی جائیں، تاکہ ہم تیرے راستے میں ایک بار پھر جام شہادت نوش کریں۔ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ اب ان کی کوئی خواہش باقی نہیں، چنانچہ جب یہ ظاہر ہوگیا تو ان کو چھوڑ دیا گیا۔''

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ. باب بیان ان ارواح الشہداء فی الجنۃ)

اِس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ شہداء کی روحیں جنت میں سبز پرندوں میں بیٹھ کر جہاں چاہیں جاتی ہیں۔ گویا کہ سبز پرندے شہیدوں کے لیے پرائیویٹ جہاز (Private Cruise) کی طرح ہوتے ہیں جو انھیں جنت کے تفریحی مقامات کی سیر کرواتے رہتے ہیں۔

حضرت مقدام بن معدیکربؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لِلشَّهِيدِ عِنْدَ اللهِ سِتُّ خِصَالٍ يُغْفَرُلَهُ فِي اَوَّلِ دَفْعَةٍ وَيَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَيَاْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ

الْاَکْبَرِ وَیُوضَعُ عَلَی رَأْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ الْیَاقُوتَةُ مِنْهَا خَیْرٌ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا وَیُزَوَّجُ اثْنَتَیْنِ وَسَبْعِینَ زَوْجَةً مِنَ الْحُورِ الْعِینِ وَیُشَفَّعُ فِی سَبْعِینَ مِنْ أَقَارِبِهِ (1)

(الترمذی وابن ماجة واحمد والطبرانی عن عبادة من الصامت)

ترجمہ:......''اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے لئے چھ انعام ہیں:

۱...... پہلی دفعہ میں ہی اُس کی بخشش ہو جاتی ہے۔

۲...... (موت کے وقت) جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے۔

۳...... عذابِ قبر سے محفوظ اور قیامت کے فزعِ اکبر سے امن میں رہتا ہے۔

۴...... اُس کے سر پر ''وقار کا تاج'' رکھا جاتا ہے، جس کا ایک نگینہ دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں سے بہتر ہے۔

۵...... جنت کی بہتر (72) حوروں سے اُس کا بیاہ ہوتا ہے۔

۶...... اور اُس کے ستر عزیزوں کے حق میں اُس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

لہٰذا جو لوگ چاہتے ہیں کہ قیامت کے روز اُن کا اللہ کے راستے میں شہید ہوا رشتہ دار اللہ کے حضور میں اُن کی شفاعت کروائے، اُنھیں چاہئے کہ وہ دنیا میں اپنے اُس شہید بھائی کی بیوہ اور یتیم بچوں کی خبر گیری کرتے رہیں، اُن کی مالی مدد خاموشی سے صرف اللہ سے اجر کی امید رکھ کر کریں۔ عیدوں کے موقع پر اُن یتیموں کو یہ محسوس نہ ہونے دیں کہ وہ یتیم ہیں اور اُن کا خیال کرنے والا کوئی نہیں۔تبھی شہید اُن کی شفاعت کروائے گا وگرنہ صرف اپنی ذات کا سوچنے والے خود غرض رشتہ دار جنھوں نے کبھی ایک پیسہ اپنے شہید رشتہ دار کی بیوہ کو اور یتیم بچوں کو نہیں

---

1) امام ترمذی کے مطابق یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

دیا، ایسے لوگ، شہید سے شفاعت کی کوئی امید نہ رکھیں۔

قرآن میں جہاد کی فضیلت میں بے شمار آیات آئی ہیں جن کا ہم نے اختصار کی وجہ سے یہاں ذکر نہیں کیا۔صرف چند آیات اور احادیث کا آگے اپنے اپنے مقام پر ذکر آئے گا۔یہاں یہ بتا دینا کافی ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں متعدد صحابہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کے راستے میں ایک صبح کو یا ایک شام کو جہاد کے لیے نکل جانا دنیا اور دنیا بھر کی ساری دولتوں سے بہتر (Superior) ہے۔'' اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجاھد فی سبیل اللہ کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص ساری عمر رات بھر نمازیں پڑھے اور دن کو روزے رکھا کرے، جہاد فی سبیل اللہ کے برابر کوئی نیکی نہیں۔'' (صحیح مسلم) اِن کے علاوہ اور بھی بے شمار احادیث ہیں جن کا یہاں ذکر نہیں کیا جا رہا۔

اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والوں کو اِسی فضیلت کی بنا پر حضرت عمرؓ بن خطاب اپنے دورِ خلافت میں مجاہدین کے گھر والوں کی اُن کی غیر موجودگی میں خصوصی خبر گیری کیا کرتے تھے اور اُن کے بچوں کا سگے باپ کی طرح خیال کیا کرتے تھے جیسا کہ شاہ ولی اللہ اپنی کتاب **ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء** میں لکھتے ہیں:

''سعید بن المسیبؒ اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰنؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ واللہ! عمرؓ نے جو کچھ کہا اُس کو پورا کر کے دکھایا۔ سختی کرنے کے مواقع پر سختی میں اور نرمی کے مواقع پر نرمی میں بڑھ گئے اور وہ لوگوں کے بال بچوں کے باپ بن گئے تھے یہاں تک کہ اپنی خلافت کے دور میں اُن عورتوں کے پاس جاتے جن کے شوہر جہاد کے لیے گئے ہوئے ہوتے تھے۔اُن کے دروازوں پر پہنچ کر اُن کو سلام کرتے تھے۔پھر کہتے تھے کہ کیا تمھیں کوئی ضرورت ہے؟ جب تم کوئی ضرورت کی چیز منگانا چاہو تو میں وہ چیز تمھیں بازار سے خرید کر لا دوں گا۔ مجھے یہ ناگوار ہے کہ خرید و فروخت میں تمھیں دھوکا دیا جائے۔تو وہ عورتیں آپ کے ساتھ اپنی لڑکیوں اور لڑکوں کو بھیج دیتی تھیں تو امیر المومنین عمر بن خطاب بازار میں اس طرح جاتے کہ آپ کے پیچھے لوگوں کی لڑکیاں اور لڑکے اتنے ہوتے کہ اُن کا شمار مشکل ہوتا تھا۔پھر ہر ایک کے لئے اُن کی

ضرورت کی چیزیں خریدتے اور جو عورت ایسی ہوتی کہ اُس کے پاس کوئی بال بچہ نہ ہوتا تو اُس کے لیے خود خریدتے۔ جب کسی لشکر میں سے کوئی ایلچی آتا تو اُس سے اُن عورتوں کے شوہروں کے خطوط لیکر خود اُن عورتوں تک پہنچاتے اور اُن سے فرماتے کہ تمھارے شوہر اللہ کی راہ میں گئے ہوئے ہیں اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں ہو۔ اگر تمہارے پاس کوئی ایسا شخص موجود ہے جو یہ خط پڑھ دے تو ٹھیک ہے ورنہ دروازے کے قریب پردے کی اوٹ میں کھڑی ہو جاؤ تاکہ میں پڑھ کر سُنا دوں۔"(1)

انسان کے اندر ہمیشہ کی زندگی کی خواہش

انسان کی فطرت میں ہمیشہ کی لافانی زندگی کی خواہش موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان موت سے کراہت محسوس کرتا ہے کیونکہ اُس میں انسان کو اپنی فنا نظر آرہی ہوتی ہے۔ امریکی ماہر نفسیات ارنسٹ بیکر نے اپنی کتاب "The Denial of Death"(مطبوعہ نیویارک 1997) میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا کہ اِس دنیا میں تمام جانداروں میں انسان ایک ایسی مخلوق ہے جسے قدرت نے اتنی ذہنی صلاحیت بخشی ہے کہ وہ اپنے آخری انجام یعنی موت کے متعلق غور وفکر کرسکتا ہے اور اِس بات کا تصور کرسکتا ہے کہ قبر میں اس کی لاش کو کیڑے مکوڑے کھائیں گے۔ ڈاکٹر بیکر کے مطابق انسانوں کی اکثریت سچائی سامنے ہوتے ہوئے بھی تمام عمر جھوٹ کے خول میں گزار دیتی ہے یعنی بچپن سے ہی انسان اِس احساس کو کہ ایک دن اُس نے مرجانا ہے ہر ممکن طریقے سے دباتا ہے۔ ایسا آخر کیوں ہے؟

اِس کی وجہ انسان کے اندر پائی جانے والی ہمیشہ کی زندگی کی خواہش ہے۔ علامہ اقبالؒ اپنے ''خطبات'' میں بیان کرتے ہیں کہ ''انسان کو چونکہ موت آجاتی ہے لیکن اُس کے اندر ہمیشہ کی

1) ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء جلد۳، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، قدیمی کتب خانہ، کراچی

زندگی کی خواہش ہے۔انسان اپنی اِس خواہش کی تسکین اس طرح کرتا ہے کہ اُس کی نسل آگے چلے (یعنی وہ خود موت سے فنا ہو جائے تو اُس کی اولاد اُس کے مرنے کے بعد اُس کے تشخص کو زندہ رکھے گی اور انسانی نسل اِس طرح آگے بڑھتی رہے گی۔)۔'' (1)

شیطان انسان کی ہمیشہ کی زندگی کی خواہش اور اس نفسیاتی کمزوری سے اول دن سے واقف تھا۔اِس لیے اسی بات کا جھانسہ دے کر اُس نے جنت میں آدمؑ اور حواؑ کو شجرِ ممنوعہ کا پھل کھانے کی ترغیب دی۔

وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ○ (سورہ الاعراف:20)

''شیطان نے ان سے کہا تمہارے رب نے تمہیں جو اِس درخت سے روکا ہے اُس کی وجہ اِس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تمہیں ہیشگی کی زندگی حاصل نہ ہو جائے۔''

انسان کی اِس خواہش کا واحد حل اللہ کے راستے میں شہادت میں پوشیدہ ہے کیونکہ شہداء کو قرآن نے ''زندہ'' کہا ہے۔اور شہداء چونکہ اللہ کے راستے میں جان دے کر ہمیشہ کی زندگی حاصل کر لیتے ہیں اِس لیے ان کے جسموں کو قبر کے کیڑے مکوڑے نہیں کھا سکتے۔پھر انسان کے اندر ہمیشہ کی زندگی کے ساتھ ساتھ کسی نہر یا سمندر کے قریب خوبصورت اور عالیشان محلوں میں رہنے کی خواہش بھی پائی جاتی ہے جو شہادت کی صورت میں اسے عطا کر دی جاتی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ

---

1) Iqbal, Sir Mohammad (Allama) (1994). The Reconstruction of Religious Thought in Islam. New Delhi, Kitaab Bhavan.

أَلِيمٍ ○ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ○ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ○ (سورہ الصّف : 12-10)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں اذیت ناک عذاب سے بچا دے، ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا، اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ابدی قیام کی جنتوں میں بہترین گھر تمہیں عطا فرمائے گا۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔''

اللہ کے ہاں شُہداء کے خصوصی اعزازات اور انعامات

اب ہم اللہ کے راستے میں شہید ہونے والوں کے خصوصی اعزازات اور انعامات کا ذکر کریں گے جس کا مختصر سا اشارہ حبیب النجار نے سورہ یٰسٓ کی آیات نمبر 26 اور 27 میں دیا ہے؟ یہاں پر ہم قدرے تفصیل سے اِس موضوع کو بیان کریں گے۔

شہداء کو اللہ تعالیٰ خود چُنتا ہے

آج مسلمان اللہ کے راستے میں جان دینے سے بھاگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن میں جذبہ جہاد سرد پڑ چکا ہے۔ اور اِس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ذلت و مسکنت مسلمانوں پر مسلط

کر دی ہے۔ آج دنیا میں سب سے سستا خون جس قوم کا ہے وہ مسلمان قوم ہی تو ہے۔

مسلمان آج یہ بات بھول گئے ہیں کہ اللہ کے راستے میں شہادت تو اللہ تعالیٰ کا ایک خاص تحفہ (gift) ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کسی کسی کو عنایت فرماتا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی بڑا اعزاز (honour) ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اگر کسی کو منتخب کر لے تو اُسے سب سے بڑی کامیابی حاصل ہو گئی۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَتِلْكَ الأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ﴾ (سورہ آل عمران: آیت 140)

''یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنھیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ تم پر یہ وقت اِس لیے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سے سچے مومن کون ہیں اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کے لیے چھانٹ (Select) لینا چاہتا تھا۔''

اِس آیت میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ ہیں وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کے رتبے کے لیے چن لینا چاہتا تھا یعنی کچھ لوگوں کو شہادت کی عزت بخشنا چاہتا تھا۔ تو گویا شہادت اللہ کی طرف سے بہت بڑا انعام ہے اور انعام سے بھاگنا نہیں چاہیے۔

تاریخ شاہد ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ کو اِس عزت افزائی کا بخوبی علم تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے لیے بھی شہادت کی تمنا کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے یہ الفاظ تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیۤ اَسْئَلُكَ شَهَادَةً فِی سَبِيْلِكَ

''اے اللہ میں تیرے راہ میں شہادت کا طلبگار ہوں۔''

آپ نے کتنے ہی غزوات میں شرکت کی کو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہادت نہ نصیب ہوئی کیونکہ آپؐ کا مقام تو شہداء سے بھی بلند ہے۔ ویسے بھی قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَ غۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىۡ ﴾ (المجادلة:21)

''اللہ تعالیٰ نے طے کر دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔''

دراصل نبی اور رسول کا سب سے اہم فرق ہی یہ ہے کہ نبی تو کفر کی طاقتوں کے ہاتھوں قتل بھی ہو جاتے ہیں لیکن رسولوں کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔

بہر حال رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اسی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

لَوَدِدْتُ اَنِّىْ اُقْتَلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيَا ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيَا ثُمَّ اُقْتَلُ (بخاری۔ كتاب الامانی)

''میرے دل میں بڑی آرزو اور بڑی تمنا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں، پھر مجھے زندہ کیا جائے، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جائے، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔''

اسی طرح عمرؓ بن خطاب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِى الشَّهَادَةَ فِىْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِىْ فِىْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ

''اے اللہ! میں تیری راہ میں شہادت پانے کی بھیک مانگتا ہوں اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر (مدینہ) میں مرنے کی دعا مانگتا ہوں۔''

بڑے بڑے علماء اور اولیاء اللہ حضرت عمرؓ کی یہ دعا اپنے لیے اللہ سے رو رو کر مانگا کرتے ہیں کیونکہ انھیں اِس نعمت کی قدر تھی۔ شہداء کی یہ عزت افزائی کی جاتی ہے۔ تب ہی

تو اُن کا دنیا میں بار بار آ کر اللہ کے راستے میں شہید ہونے کا جی چاہتا ہے جیسا کہ احادیث میں آتا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''جنت میں پہنچ جانے کے بعد کوئی شخص بھی نہیں چاہے گا اور نہیں پسند کرے گا کہ اُس کو پھر دنیا میں اِس حال میں واپس کر دیا جائے کہ دنیا کی ساری چیزیں اُس کی ہوں (وہ سب کا مالک ہو) البتہ جو راہِ خدا میں شہید ہو کر جنت میں پہنچے گا، وہ اِس کی آرزو کرے گا کہ اُس کو پھر دنیا میں واپس بھیج دیا جائے اور وہ پھر (ایک دفعہ نہیں) دس دفعہ فی سبیل اللہ شہید کیا جائے۔ وہ یہ آرزو اِس لئے کرے گا کہ وہ جنت میں دیکھے گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شہیدوں کا کیسا انعام و اکرام ہے۔'' (بخاری و مسلم)

جس پر اللہ کی رحمت کی انتہاء ہو اُسے شہادت ملتی ہے

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرتِ صحابہؓ کے مطالعے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جس پر اللہ کی رحمت کی انتہاء ہو اُسے شہادت ملتی ہے۔ مثلاً رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی کسی کو یہ دعا دی ہے کہ ''اللہ اس پر رحم کرے'' تو اکثر اوقات ایسا ہوا کہ اسے شہادت ملی۔ ایسا لگتا کہ اللہ کا سب سے بڑا رحم و کرم ہی یہ ہے کہ انسان کو شہادت مل جائے۔

صحیح مسلم میں حضرت سلمہؓ بن اکوع سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ تمام رات سفر کرتے رہے۔ اثنائے سفر میں ایک شخص نے عامرؓ بن اکوع سے کہا کہ عامر ہم کو کچھ سناؤ گے نہیں؟ عامرؓ شاعر آدمی تھے اور اُن کا دل جوشِ ایمان سے لبریز تھا۔ وہ سواری سے اُتر کر یہ شعر سنانے لگے۔

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
وَنَحْنُ مِنْ فَضْلِكَ مَا اسْتَغْنَيْنَا

فَـــاَنْـــزِلَـــنْ سَـــكِيْـــنَةً عَـــلَيْـــنَـــا
فَـــاغْـــفِـــرْفِـــدًا لَّكَ مَـــا اَبْقَيْـــنَـــا
وَثَبِّـــتِ الْاَقْـــدَامَ اِنْ لَاقِيْـــنَـــا

ترجمہ: ''اے اللہ اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے ہم نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔

اور ہم لوگ آپ کے فضل سے بے نیاز نہیں ہیں ۔اے اللہ ہم لوگوں پر اطمینان نازل فرما۔ جب تک ہم زندہ ہیں، تجھ پر فدا ہوں ۔

اور ہم جب دشمنوں کے مقابلے پر اُٹھیں تو ہمیں ثابت قدمی نصیب کر۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سمعِ مبارک میں اُن کی آواز پڑی تو پوچھا: ''یہ حدی خوان (نظم پڑھنے والا) کون ہے؟

لوگوں نے کہا: ''عامر بن اکوع''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **يَرْحَمُهُ اللّٰهُ** ۔ (اللہ اُس پر رحم فرمائے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر لوگوں کو یقین ہو گیا کہ عامرؓ کو شہادت نصیب ہو گی۔ صحابہ کرامؓ اِس بات سے بخوبی واقف تھے کہ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو انفرادی طور پر اللہ کے اُس پر رحم کرنے کی دعا کی تو اُس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ شخص شہید ہو گا۔ ایسا لگتا ہے کہ شہادت اور اللہ تعالیٰ کے رحم کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ چنانچہ عمرؓ بن خطاب نے آپؐ سے فرمایا:

وَجَبَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰه. لَوْلَا مَتَّعْتَنَا بِه

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب تو یہ بات لازم ہوگئی ہے۔ کاش کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں عامرؓ بن اکوع کی موجودگی سے کچھ مزید فائدہ اٹھانے دیتے (کیونکہ اب تو وہ شہید ہو جائیں گے)۔'' (1)

جب غزوۂ خیبر شروع ہوئی تو عامر بن اکوع نے شجاعت کے جوہر دکھائے۔ بالآخر یہودیوں کے مشہور جنگجو مرحب سے مقابلہ کرتے ہوئے عامر بن اکوع شہید ہو گئے اور یوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عامرؓ کے لئے کی گئی اللہ تعالیٰ کے رحم کی دعا قبول ہوگئی۔

اسی طرح ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ مبارک میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور رات کا وقت تھا۔ اتنے میں مسجدِ نبویؐ سے کسی کی تلاوت کرنے کی آواز آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ یہ کس کی آواز ہے؟ عائشہ صدیقہؓ نے حجرے کی کھڑکی سے دیکھ کر بتایا کہ یہ ابو دجانہؓ (صحابی رسولؐ) ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: **رَحِمَ اللّٰهُ اَبُوْ دُجَانَه** (اللہ ابو دجانہؓ پر رحم کرے)

چنانچہ ابو دجانہ انصاری کو جنگِ یمامہ میں 632ء میں شہادت نصیب ہوئی۔ ابو دجانہؓ کا اصل نام سماکؓ بن خراشہ تھا۔ اُنھوں نے بہت سے غزوات میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ غزوہ احد میں انھوں نے سر پر سرخ پٹی باندھ لی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنی تلوار عنایت فرمائی تھی۔ جنگِ یمامہ میں بھی ابو دجانہؓ نے اپنے سر پر سرخ پٹی باندھ لی تھی۔ جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب پر پہلے حبشیؓ نے نیزے سے وار کیا پھر ابو دجانہؓ نے مسیلمہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اُسی جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ابو دجانہؓ کے لیے اللہ

---

1) الطبقات الکبیر لابن سعد، البدایۃو النہایہ حافظ ابن کثیر، السیرہ النبویہ ابن ھشام

کے رحم کی دعا کے اثر سے ابو دجانہؓ کوشہادت نصیب ہوئی ۔

یہ درست ہے کہ مقامِ صدیقیت ، مقامِ شہادت سے بھی بلند ہے اور صدیقین کا معاملہ رسولوںؑ سے ملتا جلتا ہوتا ہے جبکہ شہداء کا معاملہ انبیاءؑ سے ملتا جلتا ہوتا ہے ۔آپ غور کریں تو چار خلفائے راشدینؓ میں سے تین کو شہادت نصیب ہوئی یعنی عمرؓ بن خطاب، عثمانؓ ذوالنورین اور علیؓ بن ابی طالب بلکہ پانچویں خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیزؒ کوبھی شہادت نصیب ہوئی ۔یہ اللہ کا رحم ہی تو ہے کہ عشرہ مبشرہ صحابہ(جن کو دنیا میں ہی جنت کی خوشخبری رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیدی تھی) میں سے آدھے سے زیادہ شہداء ہیں ۔اُن میں تین خلفاء راشدین کے علاوہ طلحہؓ اور زبیرؓ کوشہادت نصیب ہوئی اور چھٹے صحابی حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کی موت طاعون سے ہوئی جبکہ وہ جہاد کے لیے نکلے ہوئے تھے، اِس لیے وہ بھی شہید ہیں ۔

شہداء کومرتے وقت کوئی تکلیف نہیں ہوتی

درد سے بچنا(Pain avoidance) انسان کی فطرت میں شامل ہے ۔ انسان کے متعلق قرآن میں آتا ہے:

﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴾

(سورہ المعارج:19-20)

’’انسان تھڑدِلا(anxious) پیدا کیا گیا ہے ۔ جب اُس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو گھبرا اُٹھتا ہے۔‘‘

انسان کی فطرت میں ہے کہ وہ درد سے گھبراتا ہے لیکن مرنے کے وقت اُسے درد (pain of death) کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے ۔ لیکن جو لوگ اللہ کی خاطر اپنی جان کی بازی لگاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو مرنے کی اُس تکلیف سے محفوظ رکھتا ہے ۔ حدیث میں آتا ہے:

مَايَجِدُ الشَّهِيْدُ مِنْ مَسِّ الْقَتْلِ، اِلَّا كَمَا يَجِدُ اَحَدُكُمْ مِنْ مَسِّ الْقَرْصَةِ (ترمذی، کتاب الجمعہ، ابواب السفر ۔صحیح ابن حبان) (1)

''راہِ خدا میں شہید ہونے والا قتل کیے جانے کے وقت بس اتنی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنی تکلیف تم میں سے کوئی آدمی چیونٹی کے کاٹ لینے کی محسوس کرتا ہے۔''

شہادت کی موت کی اِس آسانی کی خبر ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، جن سے زیادہ سچا اور کوئی نہیں ۔اِس بات کی تصدیق بہت سے واقعات سے بھی ہوتی ہے۔

امام غزالی کی کتاب مجموع اللطائف میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص نے اللہ تعالی سے دعا کی: ''اے اللہ! میری روح اِس طرح نکالنا کہ مجھے کوئی تکلیف نہ ہو۔''
ایک دن وہ اپنے کھیت میں کام کر رہا تھا کہ وہ تھک گیا اور کچھ دیر آرام کرنے کے لیے وہ سو گیا۔ اتنے میں کچھ کفار اُس کھیت میں آ نکلے اور انھوں نے اُس شخص کی تلوار سے گردن اُڑا دی ۔بعد میں اُس کے ایک دوست نے اُسے خواب میں دیکھا اور اُس سے پوچھا کہ اُس کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ اُس شخص نے جواب دیا: ''پتہ نہیں ۔میں اپنے کھیت میں کام کر رہا تھا اور پھر میں آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔ پھر میری آنکھ کھلی تو میں جنت میں تھا۔'' (2)

---

1) ابوھریرہؓ کی روایت کردہ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ امام بغویؒ نے معالم التنزیل میں اور امام دارمیؒ نے سنن دارمی میں اس حدیث کو الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ روایت کیا ہے۔

2) مشارع الاشواق الی مصارع العشاق ۔ ابوزکریا الدمشقی الدمیاطی ابن نحاس (المتوفی 814ھ) دارالبشائر الاسلامیہ۔ بیروت ۔2002ء

جب اپریل 1992ء میں بلقان میں جنگ چھڑی تو بوسنیا کے مسلمانوں کو بے دردی کے ساتھ ذبح کیا گیا اور عورتوں حتیٰ کہ چھوٹی لڑکیوں تک کی بری طرح سے عصمت دری کی گئی۔ 1992ء سے 1995ء کے درمیان پوری دنیا سے بعض غیرت مند مسلمان بوسنیا کے مسلمانوں کا دفاع کرنے اور جہاد کرنے کے لیے گئے جن میں سے بعض شہید ہو گئے۔ اُنہی میں ایک ابومنذر رالیمنی ؒ بھی تھے۔ جولائی 1995ء میں سربوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے اُن کے سر پر گولی لگی، جس سے وہ شہید ہو گئے۔ اگلے روز اُن کے ایک ساتھی نے اُنھیں خواب میں دیکھا اور اُن سے پوچھا کہ اُن کے ساتھ کیا ہوا تو ابومنذر رالیمنی نے جواب دیا: ''ہم جنگل میں تھے اور ہر طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی اور ہم نے مورچے میں اپنے سر نیچے کیے ہوئے تھے۔ میں نے اپنا سر اونچا کیا تا کہ میں دیکھوں کہ فائرنگ کہاں سے ہو رہی ہے اور بنکر کس طرف ہے۔ جب میں دیکھ رہا تھا تو اگلے ہی لمحے میں نے دیکھا کہ میں جنت میں گھوم رہا ہوں۔''

اِسی طرح ابوعمر الحربی ؒ ایک نوجوان تھے جن کا تعلق مدینۃ المنورۃ سے تھا۔ سربوں (Serbs) کے خلاف ایک آپریشن میں یہ دستے کے کمانڈر تھے۔ حملہ کرنے کی جگہ نہایت خطرناک تھی کیونکہ وہاں بارودی سرنگوں کا جال بچھا ہوا تھا اور سرب آسانی سے اپنی طرف آنے والے دشمن کو دیکھ سکتے تھے۔ ابوعمر الحربی نہایت بہادری سے آگے بڑھتے رہے حتیٰ کہ ایک سرب فوجی کی گولی ابوعمر کے ماتھے پر لگی اور وہ اسی وقت شہید ہو گئے (ان شاء اللہ)۔ کچھ روز کے بعد چند ساتھیوں نے اُنھیں خواب میں دیکھا اور اُن سے پوچھا کہ آپ کا معاملہ کیا ہوا؟

ابوعمر الحربی ؒ نے جواب دیا: ''شہادت سے ایک روز پہلے جب ہم بنکر میں حملے کا انتظار کر رہے تھے تو مجھے نیند آ گئی اور جنابت لاحق ہو گئی۔ پہاڑوں میں میرے لئے ممکن نہیں تھا کہ میں غسل کرتا جبکہ میں اپنے دستے کا امیر بھی تھا۔ چنانچہ میں نے تیمم کر کے نماز پڑھی اور حملے

کے لیے نکل پڑا۔ جب مجھے گولی لگی تو مجھے کچھ درد نہیں ہوا۔ بس مجھے اپنے ماتھے پر کچھ چبھن کا احساس ہوا اور دو روشنی کے وجود (یعنی فرشتے) مجھے کاندھے سے پکڑ کر فوراً آسمان کی طرف پرواز کرنے لگے اور راستے میں ہی انھوں نے مجھے غسل دے دیا۔"

ابو عمر الحربی ؒ کے دوستوں نے بتایا کہ خواب میں انھوں نے محسوس کیا کہ ابو عمر کا چہرہ حیرت انگیز طور پر چمک رہا تھا (غالباً فرشتوں کے غسل دینے کی وجہ سے)۔ **(1)**

شہداء کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی

مقامِ شہادت کی بلندی کا اِس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو لوگ میدانِ جنگ میں اللہ کی راہ میں شہادتِ عظمیٰ پا جائیں اور نقدِ جان قربان کرنے میں کامیاب ہو جائیں، اُن کے جسم غسل سے بے نیاز ہیں۔ پانی اِس قابل نہیں کہ اُن کے مقدس زخموں پر ڈالا جائے۔ اُن جسموں سے بہتا ہوا خون اور خون سے بھرا ہوا لباس اللہ کو اتنا محبوب ہے کہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ شہیدوں کو اسی ہیئت (Position) اور اسی حالت میں دفن کر دو جس حالت میں یہ زمین پر گرے ہیں۔ وہ شخص اب ہماری کوشش کے ذریعے پاک ہونے کا محتاج نہیں رہا۔ شہداء کے جسم پانی سے بے نیاز ہیں۔ وہ ہماری کفن کی چادروں سے بے نیاز ہیں۔ وہ ہماری نمازِ جنازہ سے بے نیاز ہیں کیونکہ نمازِ جنازہ تو مُردوں پر پڑھائی جاتی ہے۔ زندہ لوگوں پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی جاتی اور شہداء تو قرآن کے مطابق زندہ ہیں:

﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴾ (سورہ البقرہ)

---

1) سبز پرندوں کے دلوں میں۔ بوسنیا کے شہداء۔ عزام ریکارڈنگ۔ لندن

''اور جو لوگ فی سبیل اللہ قتل ہو جائیں انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، مگر تم لوگوں کو اُس (زندگی) کا شعور نہیں۔''

قرآن ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ نہ صرف زندہ ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اُن کو رزق بھی دیتا ہے (اور رزق تو زندہ لوگ ہی کھایا کرتے ہیں) :

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾ (سورہ آلِ عمران)

''اور تم اُن لوگوں کو جو فی سبیل اللہ جان دے دیں مردے خیال نہ کرو بلکہ وہ اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔''

یہی تو وجہ ہے کہ شہداء کے جسم کو مٹی خراب نہیں کرتی۔اُن کی لاشیں گلتی سڑتی نہیں کیونکہ اُن کی روحوں کو جنت سے رزق اور پھل دیئے جارہے ہوتے ہیں۔اِس سے ہمیں سمجھ آسکتی ہے کہ آخر کیوں شہداء کے جسموں سے مشک کی خوشبو آرہی ہوتی ہے، اُن کے زخم تازہ رہتے ہیں، اُن کے جسم میں کیڑے مکوڑے پیدا نہیں ہوتے، اُن کے جسموں کو قبر میں چوہے، سانپ اور کیڑے کیوں نہیں کھاتے۔

اِس سلسلے میں تاریخ میں بہت سے مستند واقعات موجود ہیں۔امام مالک، عبدالرحمٰن ابن صعصاع کی روایت بیان کرتے ہیں کہ ابن صعصاع کو بتایا گیا کہ عمروؓ بن الجموع اور عبداللہ بن عمروؓ (دونوں کا تعلق قبیلہ انصار سے تھا) احد کے دن شہید ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک ہی قبر میں دفن کیا تھا۔ حضرت معاویہؓ کی حکومت کے دوران اُحد کے قریب نہر کھدوائی گئی جس کی وجہ سے اُحد کا قبرستان متاثر ہوا تو قبر کی جگہ تبدیل کرنے کے لیے اُن دونوں صحابیوںؓ کی قبریں کھودی گئیں۔ جب اُن کی قبریں کھلیں تو اُن کے جسم اس طرح

سلامت تھے کہ جیسے وہ کل ہی شہید ہوئے ہوں ۔ یہ بات اُن کی شہادت کے 46 سال بعد کی ہے ۔'' یہ واقعہ امام بیہقی نے متعدد سندوں سے اور ابن سعد نے بھی ذکر کیا ہے ۔ (1)

امام قرطبی بیان کرتے ہیں کہ مدینہ کے لوگوں کی روایت ہے کہ ولید بن عبدالملک کی حکومت کے زمانے میں جب عمر بن عبدالعزیزؒ مدینہ کے گورنر تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی دیوار گر گئی ۔ جب دیوار گری تو قبر کا ایک حصہ کھل گیا، جہاں سے کسی کا پاؤں نظر آ رہا تھا ۔ مدینہ کے لوگ گھبرا گئے کہ کہیں یہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا پاؤں تو نہیں ۔ پھر عمر بن عبدالعزیز آئے اور اُنھوں نے پاؤں کو بغور دیکھا اور اپنے پاؤں سے اُس کی مشابہت دیکھی ۔ پھر آپ نے لوگوں کو بتایا کہ یہ اُن کے نانا عمرؓ بن خطاب کا پاؤں ہے ۔ عمرؓ بن خطاب شہید ہوئے تھے ۔ اِس لیے اُن کا جسم مبارک سلامت تھا ۔ (2)

(التذکرہ ۔ الامام القرطبیؒ)

اسی طرح عبداللہ بن عباسؓ کے صاحبزادے روایت کرتے ہیں:

''میں اپنے چچا حمزہ بن عبدالمطالب کی قبر بدلنے کے لیے (سیلاب کے بعد) گیا اور اُن کے جسد کو نکالا تو وہ تر و تازہ تھا اور بالکل نہیں بدلا تھا ۔''

(مشاری الاشواق از ابن نحاس)

بیسویں صدی میں احد کے قبرستان میں پھر سیلاب آیا جس کی وجہ سے بعض شہداء کے جسم ظاہر ہو گئے ۔ عرب عالم ڈاکٹر طارق سویدان اپنے ایک لیکچر سیریز میں بیان کرتے ہیں کہ شیخ

---

1) مشارع الاشواق الی مصارع العشاق ۔ ابوزکریا الدمشقی الدمیاطی ابن نحاس (المتوفی 814ھ) دار البشائر الاسلامیہ ۔ بیروت ۔ 2002ء

2) التذکرہ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ. الامام القرطبیؒ، مطبوعہ بیروت

محمد الصوّاف اُن علماء میں سے تھے جنھیں حجاز کی حکومت نے شہدائے اُحد کی دوبارہ تدفین کے لیے منتخب کیا تھا۔ شیخ محمد صوّاف نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ شہدائے احد کے جسم 1400 سال گزرنے کے بعد بھی بالکل نہیں گلے سڑے اور نہ ہی اُن میں کوئی تبدیلی آئی۔ شیخ محمد صوّاف نے مزید بتایا:

''اُن نعشوں میں سے ایک حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی نعش تھی۔ وہ ایک قد آور اور طاقتور شخص تھے اور اُن کی ناک اور کان کٹے ہوئے تھے۔اُن کا پیٹ کٹا ہوا تھا اور انھوں نے اُس پر اپنا ہاتھ رکھا ہوا تھا۔جب ہم نے اُن کا ہاتھ اُس جگہ سے ہٹایا تو وہاں سے ایسے خون بہنے لگا کہ جیسے وہ صرف ایک گھنٹہ پہلے شہید ہوئے ہوں۔''

(Story of the End by: Dr Tariq Suweidan, Kuwait)

یہ سب واقعات اور اسی طرح کے درجنوں مزید واقعات اِس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں شہید ہونے والے مجاہدین کی لاشوں اور خون کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں ہونے دیتا۔

یہاں یہ فقہی نکتہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جو مسلمان مجاہدین میدانِ جنگ میں ہی جان دے دیتے ہیں، اُن کو غسل نہیں دیا جاتا۔اُن کو اُنہی خون آلودہ کپڑوں میں اور اُسی حالت میں دفن کیا جاتا ہے اور اُن کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھائی جاتی۔لیکن جو مجاہد میدانِ جہاد میں زخمی ہو جاتا ہے پھر اُسے کسی محفوظ مقام پر (مثلاً ہسپتال میں) لے جایا جاتا ہے، وہاں اُس کی مرہم پٹی کی جاتی ہے اور وہ دنیا کا رزق کھاتا اور پیتا ہے لیکن بعد میں اپنے زخموں کی وجہ سے جان دے دیتا ہے تو ایسے شہید کو ''حکمی شہید'' کہتے ہیں اور اُس کی میت کو غسل بھی دیا جاتا ہے اور اُس کی نمازِ جنازہ بھی پڑھائی جاتی ہے۔مثال کے طور پر صحابہ کرامؓ نے حضرت عمرؓ بن خطاب کی شہادت پر اُن کے ساتھ ایسا ہی کیا۔(بحوالہ۔ابن نحاس)

اسی طرح مثال کے طور پر جو شخص اسلامی نظام کے نفاذ کی جدوجہد میں منافق حکمرانوں یا اُن کے اہلکاروں کے ہاتھ مارا جائے اُسے کفن تو دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی لیکن قیامت کے دن وہ شہید کے طور پر اُٹھے گا (اِن شاء اللہ)۔

شہداء کے ذکر کو اللہ تعالٰی بلند کر دیتا ہے کیونکہ وہ زندہ ہیں

جو لوگ اللہ کے راستے میں لڑتے ہوئے یا جدوجہد کرتے ہوئے شہید ہوتے ہیں اُن کے متعلق قرآن کہتا ہے:

﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ﴾ (سورہ البقرہ: 154)

"اور جو لوگ فی سبیل اللہ قتل ہو جائیں انھیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم لوگوں کو اُس کا شعور نہیں۔"

یعنی شہادت کی موت مرنے والوں کو صرف زندگی نہیں بلکہ حیاتِ جاودانی ملتی ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ شہداء کے ذکر کو اللہ تعالٰی لوگوں کے دلوں میں زندہ کئے رکھتا ہے۔ اُن کے نیک اعمال مثلاً اُن کی تصنیف کی ہوئی کتابیں یا اُن کے ریکارڈ لیکچرز کو اللہ تعالٰی وہ شہرت دیتا ہے جو دنیا کی بڑی سے بڑی اشتہاری کمپنی (Advertisement Agency) بھی کسی کو نہیں دے سکتی۔ اسی بات کی طرف مصر کے عظیم عالم سید قطب شہیدؒ نے بھی اشارہ کیا تھا، جب آپ نے کہا تھا:

إِنَّ كَلِمَاتِنَا كَعَرَائِسِ الشَّمْعِ تَبْقَى مَيْتَةً هَامِدَةً

حَتّٰی اِذَا مِتْنَامِنْ اَجْلِهَا وَغَذَّیْنَاهَا بِالدِّمَاءِ اِنْقَضَتْ حَیَّةً وَعَاشَتْ بَیْنَ الْاَحْیَاءِ .

''یقیناً ہمارے الفاظ موم کی گڑیا(Wax doll) کی طرح مردہ پڑے ہوتے ہیں حتیٰ کہ ہم اُن کی وجہ سے شہید ہوجاتے ہیں اور اپنے خون سے اُنھیں سیراب کرتے ہیں تو اچانک وہ الفاظ زندہ ہوجاتے ہیں اور مُردہ قلوب کو زندہ کردیتے ہیں۔''

مصری عالم شہید سید قطب کی زندگی بذاتِ خود اس بات کی واضح مثال ہے ۔ اُنھیں مصر کے جابر حکمران جمال عبدالناصر نے 12 سال قید میں رکھ کر جیل کی کال کوٹھری میں شہید کردیا اور آج تک کسی کو علم نہیں کہ اُن کی قبر کہاں ہے ۔ اُنھیں جیل میں مصری ڈکٹیٹر کی طرف سے وزارتِ تعلیم کا عہدہ پیش کیا گیا، سوشلسٹ یونین کے سیکرٹری کا عہدہ پیش کیا گیا اِس شرط پر اگر وہ حکومت کے حمایتی بن جائیں لیکن شہید سید قطبؒ نے اپنا مشہورِ زمانہ جملہ کہا تھا:

اَنَّ السَّبَّابَةَ الَّتِیْ تَشْهَدُ بِالْوَحْدَانِیَّةِ لِلّٰهِ فِی الصَّلَاةِ لَتَرْفُضُ اَنْ تَکْتُبَ حَرْفًا وَاحِدًا تُقِرُّ بِهٖ حُکْمَ الطَّاغِیَّةِ

''بیشک جو اُنگلی نماز میں اللہ کی وحدانیت کی شہادت دیتی ہے (یعنی دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی) وہ اِس بات کا انکار کرتی ہے کہ وہ ظالم حکمران کی حمایت میں ایک لفظ بھی لکھے۔'' (1)

---

1) مِنَ الْمِیْلَادِ اِلَی الْاِسْتِشْهَادِ، سید قطب، صفحہ 462,474,481، مطبوعہ مصر

جس دن سید قطبؒ کوشہید کیا گیا ، اُس دن مصری ڈکٹیٹر کے حکم سے مصر کے چوراہوں پرسید قطب کی تفسیر فی ظلال القرآن کی آٹھ ہزار (8000) کاپیاں نذرِ آتش کی گئیں۔ جس شخص کے ہاتھ میں سید قطب کی کتاب **معالم فی الطریق** (جادہ منزل: اردو ترجمہ) (Milestones) کتاب کاانگلش ترجمہ) دیکھ لی جاتی، حکومت اُسے 10 سال قید سنادیتی۔ جس دن سید قطب کوشہید کیا گیا' اُس دن مصر کی بے دین حکومت کے سرکاری ریڈیو سٹیشن Voice of Arabs نے پراپیگنڈہ کیا کہ یہ شخص ام کلثوم کو مارنا چاہتا تھا (یادرہے کہ مصری میراثن اُم کلثوم نے جمال عبدالناصر کی شان میں بہت سے قصیدے گائے تھے کیونکہ وہ تمام گلوکاراؤں کی طرح چڑھتے سورج کی پجارن تھی اور اِس لئے وہ مصری صدر جمال عبدالناصر کی چہیتی فنکارہ تھی)۔ سید قطب پر یہ الزام بھی لگایا گیا کہ یہ شخص ریڈیو اسٹیشن پرحملہ کرنا چاہتا تھا۔یہ شخص امریکی ایجنٹ تھا، وغیرہ وغیرہ ۔''صوت العرب'' ریڈیو کے ناشر (announcer) احمد سعید نے حکومت کوخوش کرنے کے لیے یہاں تک کہہ دیا: ''سید قطب جہنم میں چلا گیااور وہ کیا ہی بری جگہ ہے۔''

پھر کیا ہوا؟ مصر کی جوان نسل نے سوچنا شروع کیا کہ یہ شخص کون ہے، جسے پھانسی دی گئی؟ یہ کتابیں جادہ منزل اور تفسیر ''فی ظلال القرآن'' کس قسم کی کتابیں ہیں کہ جن کی وجہ سے اُن کے مصنف کو سزائے موت ہوئی؟ پھر ہر کسی نے سید قطب کی کتابیں پڑھنی شروع کر دیں حتیٰ کہ بیروت کی ایک ناکام پبلشنگ کمپنی کے عیسائی مالک کواُس کے دوسرے عیسائی پبلشر دوستوں نے مشورہ دیا کہ اگر وہ اپنی ڈوبتی ہوئی پبلشنگ کمپنی کو بچانا چاہتا ہے تو وہ تفسیر **فی ظلال القرآن** پرنٹ کرنا شروع کر دے اور اُس نے ایسا ہی کیا۔جس سال سید قطب کوشہید کیا گیا، اُس سال اُن کی تفسیر (جو 8 جلدوں پر مشتمل تھی) کو 7 مرتبہ

پرنٹ کیا گیا جبکہ سید قطب کی پوری زندگی میں اُس تفسیر کا صرف ایک ایڈیشن پرنٹ ہوا تھا اور دوسری دفعہ پرنٹنگ کی ابھی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ جس نے بھی سید قطب کی کتابیں پڑھیں، اُس کی زندگی بدل گئی۔ آج سید قطب کی کتابیں دنیا کی ہر بڑی زبان میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ شہید کے ذکر کو اللہ ہی بلند کرتا ہے جو کام دنیا کی بڑی بڑی advertisement companies بھی نہیں کر سکتیں۔

صحابہ کرامؓ میں "شَہِیدُ الدَّعوۃ" حبیب النجار جیسی مثالیں

یہاں پر ہم اصحابِ رسولؐ میں حبیب النجار کے مثیل دو صحابہ کرامؓ کا ذکر بھی کرتے چلیں جن کا حال اُن کی قوم نے وہی کیا جو حبیب النجار کا کیا تھا۔

(1) حبیب بن زید عاصمؓ

حضرت کعب احبار کے پاس جب حبیب بن زید عاصمؓ کا ذکر کیا گیا (جو قبیلہ بنو مازن بن نجار سے تھے) جن کو جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب ملعون نے شہید کر دیا تھا تو آپؓ نے فرمایا: "اللہ کی قسم یہ حبیب بھی اُسی حبیب کی طرح تھے۔ جن کا ذکر سورۃ یٰسین میں ہے۔ اُن سے اُس کذاب نے حضورؐ کے بارے میں دریافت کیا۔

اُس ملعون نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت تو کیا کہتا ہے؟

آپؓ نے فرمایا کہ میں اُن کی سچی رسالت کو مانتا ہوں۔

مسیلمہ نے پھر پوچھا: میری رسالت کی نسبت کیا کہتا ہے؟

آپ نے جواب دیا: مجھے تیری آواز نہیں آرہی۔

اُس ملعون نے کہا: اس کی نسبت تو سن لیتا ہے اور میری نسبت بہرا بن جاتا ہے۔

چنانچہ اُس کے بعد مسیلمہ اُن سے اپنے بارے میں پوچھتا اور حبیب بن زید عاصمؓ کے جواب پر اُن کا ایک عضو بدن کٹوا دیتا۔ پھر پوچھتا اور یہی جواب پاتا اور ایک عضو بدن کٹواتا۔ اسی طرح حبیبؓ نے جسم کا ایک ایک جوڑ کٹوا دیا اور وہ اپنے سچے اسلام پر آخری دم تک قائم رہے اور جو جواب پہلے تھا وہی آخر تک رہا۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ۔

(2) عروہ بن مسعود ثقفیؓ

رسول کریمؐ کے دوسرے صحابی جن کا معاملہ سورہ یٰسٓ میں بیان کیے گئے شہید الدعوۃ سے بہت ملتا جلتا ہے وہ حضرت عروہؓ بن مسعود ہیں جو کہ طائف کے مشہور قبیلے بنوثقیف کے اشراف میں سے تھے۔ عروہ نہایت نیک دل، مدبر اور دلیر آدمی تھے اور بنوثقیف میں نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے بلکہ قریش مکہ بھی اُن کی بہت عزت کرتے تھے۔

8 ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ طائف سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کو واپس تشریف لا رہے تھے کہ اثنائے راہ میں حضرت عروہؓ بن مسعود آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی۔ اُس کے بعد انہوں نے عرض کی:

”یارسول اللہ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے قبیلہ کو حق کی دعوت دوں۔“

بنوثقیف بڑے جنگجو اور مغرور لوگ تھے۔ چناچہ حضورؐ نے عروہؓ سے فرمایا:

”تمہاری سنگدل قوم تم سے لڑے گی اور تمہیں قتل کردے گی۔“

انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ بنوثقیف میرا بہت احترام کرتے ہیں یہاں تک کہ اگر میں سورہا ہوں تو مجھے بیدار بھی نہیں کرتے کہ مبادا مجھے تکلیف ہو۔'' اُن کی بات سن کر حضورؐ نے انہیں دعوت اور تبلیغِ حق کی اجازت دے دی۔

سعادت اندوزِ اسلام ہو کر حضرت عروہؓ بن مسعود عشاء کے قریب طائف پہنچے۔ بنوثقیف اُن کی آمد کی خبر سن کر ملاقات کے لیے آئے اور جاہلیت کے طریقے پر ان کو سلام کیا۔ انہوں نے اُس پر سختی سے اعتراض کیا اور کہا کہ تم کو اہلِ جنت کی طرح سلام کرنا چاہیے اور السلام علیکم کہنا چاہیے۔ پھر انہوں نے بنوثقیف کو اسلام کی دعوت دی۔ اِس پر وہ بھڑک اٹھے اور حضرت عروہؓ کو سخت سُست کہہ کر چلے گئے۔

صبح کو حضرت عروہؓ نے اپنے مکان کے بالا خانے میں کھڑے ہو کر فجر کی اذان دی۔ اُس کو سن کر بنوثقیف مشتعل ہو گئے اور حضرت عروہؓ کا رتبہ واحترام بالائے طاق رکھ کر اُن پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ بنو مالک (ثقیف کی ایک شاخ) کے ایک شخص اوس بن عوف نے تاک کر ایسا تیر مارا کہ ان کی رگِ اکحل میں پیوست ہو گیا۔ یہ تیر پیغامِ قضا ثابت ہوا۔ جب اُن کی جانبری کی کوئی امید نہ رہی تو اُن کے اہل خاندان ہتھیار باندھ کر اُن کے پاس آئے اور کہا کہ ہم آپ کا بدلہ ضرور لیں گے، خواہ ہمارا بچہ بچہ مارا جائے۔ جب تک ہم بنو مالک کے دس سردار نہ قتل کر لیں گے، ہم کو چین نہ آئے گا۔

حضرت عروہؓ نیک نفسی میں اپنی مثال آپ تھے۔ انہوں نے فرمایا:

''یہ تو اللہ تعالیٰ کا مجھ پر خاص احسان ہے کہ اس نے رُتبہ شہادت پر مجھے فائز کیا، میرے بدلہ میں کسی کو قتل نہ کرو۔ میں نے اپنا خون معاف کیا۔ میری تو اب

صرف یہ آرزو ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن ساتھیوں کے پاس دفن کرنا جو محاصرۂ طائف کے دوران میں شہید ہوئے۔''

ایک اور روایت میں اُن سے یہ الفاظ بھی منسوب ہیں:

''میرے بارے میں جنگ وجدل نہ کرو۔ میں نے تم لوگوں میں مصالحتِ باہمی کے لیے اپنا خون معاف کردیا، میرا قتل تو اللہ تعالیٰ کی نوازش ہے، اُس کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے اپنی جان راہِ حق میں قربان کرنے کی توفیق دی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں جنھوں نے مجھے اِس بات کی خبر دی تھی کہ تمہاری قوم تمہیں قتل کرڈالے گی۔''

اِس وصیت کے بعد حضرت عروہؓ نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ اہلِ خاندان نے طائف کے گنجِ شہیداں میں سپردِ خاک کرکے ان کی آخری تمنا پوری کردی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حضرت عروہؓ بن مسعود کے شہادت کی خبر ملی تو آپؐ نے فرمایا:

مَثَلُ عُرْوَۃَ مَثَلُ صَاحِبِ یٰسٓ دَعَا قَوْمَہٗ اِلَی اللّٰہِ فَقَتَلُوْہُ (1)

''عروہؓ کی مثال صاحبِ یٰسٓ جیسی ہے کہ اُنھوں نے اپنی قوم کو حق کی طرف دعوت دی اور قوم نے اُن کو مارڈالا۔''

☆☆☆☆☆

---

1) تاریخ المدینۃ لابن شیبہ. المعجم الکبیر للطبرانی. المستدرک علی الصحیحین۔

کیا آپ معاشرے کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں؟

اصلاحِ معاشرہ کا ایک طریقہ یہ ہے کہ لوگوں تک حق بات پہنچائی جائے ۔رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ (صحیح مسلم)

''جو شخص، کسی نیک کام کی طرف، کسی دوسرے شخص کی راہنمائی کرے گا، اُسے نیک کام کرنے والے کے برابر اجر اور ثواب دیا جائے گا۔''

آیئے اصلاحِ معاشرہ کے کام میں دینِ اسلام کی مدد کریں۔جو لوگ بھی آپ کی کوششوں سے ہدایت حاصل کریں گے اور آپ کی دی ہوئی کتابوں کی وجہ سے جس گھر میں جو اچھے اثرات ہوں گے، آپ اُس اجر میں برابر کے شریک ہوں گے۔ ڈاکٹر گوہر مشتاق کی اصلاحِ معاشرہ کے موضوع پر درج ذیل کتابوں کے سیٹ کو خرید کر اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو تحفے میں دیں:

1......ایک آنکھ والا دجال

2......موسیقی، اسلام اور جدید سائنس کی روشنی میں

3......انسانی دل اور قبولِ اسلام ۔ ایک مذہبی اور سائنسی تجزیہ

4......معرکۂ روح و بدن

5......پردہ : عقلمند خواتین کا انتخاب

6......دجالی دور اور مسلم نوجوان

7......داڑھی کی اہمیت قرآن وسنت اور جدید سائنس کی روشنی میں

8......ویلنٹائن ڈے۔ بُت پرست رومیوں کا تہوار

9.....سورۃ الواقعہ کی سائنٹفک تفسیر

10.....سورۃ یٰسٓ کی تفسیر: کتاب وسنت اور جدید تحقیقات کی روشنی میں

11..... تزکیۂ نفس، اسلام اور جدید علم نفسیات کی روشنی میں

12 ..... روزے کے روحانی اور طبی فوائد۔قرآن،حدیث اور میڈیکل سائنس کی روشنی میں

دعوتی اور تبلیغی مقاصد کے لئے پورا سیٹ یا بڑی تعداد میں کتابیں خریدنے پر خصوصی رعایت۔

تفصیلات کے لئے درج ذیل پتہ پر رابطہ کریں۔

مکتبہ خواتین میگزین، لاہور، فون نمبر: 0321-4708024